وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مطبوعہ

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن ——— لاہور

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۲۱ ۲۳۹۲۱

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۳ | شمارہ: ۶ | رجب المرجب ۱۴۰۴ھ مطابق جون ۱۹۸۴ء

مشمولات

عرض احوال ——— ۳

الہدیٰ (پندرھویں نشست) ——— ۱۱
ڈاکٹر اسرار احمد

توحیدِ عملی اور فریضہ اقامتِ دین ——— ۲۳
ڈاکٹر اسرار احمد

شذرات ——— ۳۱
ڈاکٹر اسرار احمد

اظہارِ حق (قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینہ میں) ۶۱
قاری نصیر احمد غزنوی

ہندوستان میں پندرہ دن ——— ۷۳
ڈاکٹر عارف رشید

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی

فون: ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ
۲۱۴۷۰۹

آپ کے احباب کے لیے بہترین تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

"مُسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفتہً پیش کیجیے

دورانِ ماہِ رمضان اہل وعیال اور اعزہ واقارب کے ساتھ اجتماعی مطالعہ کیجیے!

(نوٹ) اس کتابچے کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، فارسی ترجمہ زیرِ طباعت ہے۔
اس کے حقوقِ اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے!

شائع کردہ

مرکزی انجمن خُدّامُ القرآن لاہور

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴۔ فون: ۸۵۲۶۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بفضلہٖ تعالیٰ وعونہٖ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ مطابق جون ۱۹۸۴ء کے میثاق کا شمارہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ 'میثاق' کا اجراء جون ۱۹۵۹ء کو عمل میں آیا تھا۔ اس اعتبار سے اس شمارے سے دعوتِ اسلامی کا یہ نقیب پوری ایک ربع صدی کا عرصہ طے کر کے اب چھبیسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے ــــ پرچہ جہاں تائید و نصرتِ الٰہی اور رفقاء کی سعی و محنت سے صوری و معنوی ... لحاظ سے ترقی پذیر ہے، وہاں اس کی اشاعت میں بھی بحمد اللہ ہر ماہ اضافہ ہو رہا ہے۔ عموماً جرائد کی تعدادِ اشاعت کے اظہار سے گریز کیا جاتا ہے لیکن ہم اس کے اظہار میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ اب الحمد للہ اشاعت سات ہزار سے تجاوز کر گئی ہے۔ توقع ہے کہ اگر قارئین میثاق کا تعاون اور رفقاء کی جد و جہد اسی طرح جاری رہی تو ان شاء اللہ ۱۹۸۴ء کی جلد کے خاتمے تک دعوتِ اسلامی کے اس علمبردار کی اشاعت دس ہزار سے تجاوز کر جائے گی۔ اس دور میں تفریحی جرائد و رسائل جس کثیر تعداد میں شائع ہو رہے ہیں اس کے اعتبار سے میثاق کی تعدادِ اشاعت قابلِ ذکر محسوس نہ ہو لیکن ہمارے لئے یہ بات اس اعتبار سے باعثِ طمانیت ہے کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک کے متدین، فہیم اور اہلِ دانش و بینش کے طبقہ میں جو سنجیدہ لٹریچر پڑھتے اور اس پر غور و فکر کرتے ہیں، خالص دینی دعوت اور اسلامی فکر کے معاشرے میں ٹھوس بنیادوں پر نفوذ کی رفتار کیا ہے!

ہمارے لئے یہ امر بھی شکرِ الٰہی کا موجب ہے کہ اس کے خاص فضل و کرم سے مرکزی انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے مطبوعات کی اشاعت بھی جو زیادہ تر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، صدر مؤسس انجمن اور امیر تنظیم اسلامی کی تالیفات یا ان کے دروس و خطابات پر مشتمل ہیں، بحمد اللہ روز افزوں ہے۔ ایک دور وہ تھا کہ کسی کتاب کے ایڈیشن کو دو ہزار طبع کراتے وقت ڈر لگتا تھا کہ پتہ نہیں یہ ایڈیشن کتنے عرصے میں نکل سکے گا اور کتنے عرصہ سرمایہ جامد رہے گا۔ یہی احساس ڈاکٹر صاحب موصوف کے دروس و خطابات کے کیسٹ تیار کراتے وقت ہوتا تھا۔ لیکن الحمد للہ دعوتی تالیفات اور امیر محترم کے کیسٹوں کی طلب نہ صرف اطمینان بخش بلکہ انتہائی

حوصلہ افزا ہے۔ اس سے بھی اسلام کے انقلابی فکر کے نفوذ کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ وہ تو سرمایہ کی کمی آڑے آجاتی ہے، ورنہ اب ماشاء اللہ امیرِ محترم کے خطابات و دروس کی ہر کتاب اس امر کی متقاضی ہے کہ ہر ایڈیشن کم از کم دس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا کرے۔

اسی تذکرے میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انجمن اور تنظیم اسلامی کے مکتبوں سے شائع ہونے والی ڈاکٹر صاحب موصوف کی کسی کتاب کی کسی نوع کی کوئی رائیلٹی ادا نہیں کی جاتی۔ بلکہ ہر کتاب پر اب باقاعدہ یہ نوٹ تحریر ہوتا ہے کہ "اس کتابچے کی طباعت و اشاعت کی ہر شخص کو کھلی اجازت ہے"۔ امیرِ محترم کی ہر تالیف و تصنیف ہوا اور پانی کی طرح عام ہے۔ جو شخص یا ادارہ چاہے اسے اپنے طور پر جس طرح چاہے شائع کرنے کا مجاز ہے ـــ موجودہ مارکیٹ کے لحاظ اور دعوتی اعتبار سے ہر کتاب کی قیمت کم سے کم رکھی جاتی ہے اور منافع کا دخل آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں ہوتا۔ یہی صورت حال ڈاکٹر صاحب موصوف کے کیسٹوں کی ہے۔ ان کی بھی کوئی رائیلٹی ادا نہیں کی جاتی۔ اس میں جو بچت ہوتی ہے وہ نشر القرآن کیسٹ سیریز کی توسیع پر ہی لگ جاتی ہے اور یہ اس ادارے ہی کی ملک رہتی ہے ـــ مزید یہ کہ مرکزی انجمن اور تنظیم اسلامی کی کلیدی ذمہ داریوں پر جو حضرات فائز ہیں، ان میں سے اکثر حضرات اپنا پورا وقت اور بعض حضرات اپنی جز وقتی خدمات اعزازی طور پر صرف رضائے الٰہی کے لئے دے رہے ہیں۔

رجب المرجب سنہ ۱۴۰۴ھ کا آخری ہفتہ قرآن اکیڈمی میں علم و حکمت کے انوار کی بارش کا باعث ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا حسین علیؒ (واں بھچراں والے) اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شاگرد رشید مولانا محمد طاہر مدظلہٗ (پنج پیر والے) نے جمعہ ۲۷ اپریل کی شام سے مختصر 'دورۂ قرآن' اور 'سُوَرِ قرآنی کے باہمی ربط و تعلق' پر اپنے درس کے سلسلہ کا آغاز فرمایا۔ ۲۸ اپریل سے یکم مئی تک یہ مجالس صبح و شام جاری رہیں۔ جبکہ ۲ مئی کو صرف صبح کی مجلس ہوئی۔ ہر مجلس چار گھنٹے کے وقت پر محیط ہوتی تھی۔ الحمد للہ مولانا مدظلہ العالی نے اس مختصر سے وقت میں جامعیت کے ساتھ تفویض کردہ اہم کام انجام دے لیا اور دورۂ قرآن مجید کی تکمیل فرما دی۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی عمر دراز کرے اور انہیں صحت و عافیت کے ساتھ قرآن حکیم کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے ـــ ۲۷ اپریل کو مولانا موصوف نے جامع القرآن، قرآن اکیڈمی میں قبل از جمعہ خطاب بھی فرمایا اور صلوٰۃ جمعہ بھی پڑھائی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مولانا موصوف کا مختصر تعارف بھی کرا دیا جائے۔

مولانا محترم ایک جید عالم دین اور مبلغ توحید ہیں۔ ۱۹۳۴ء میں دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے ۱۹۳۵ء میں مکہ مکرمہ میں ایک سال تک مولانا عبید اللہ سندھی سے قرآن مجید کے درس کا فیض حاصل کیا۔ چند دینی مدارس میں درس و تدریس کے بعد اپنے گاؤں پنج پیر جو سرحد کے علاقہ میں 'جہانگیرہ' سے صوابی کے راستہ پر ہے وہاں مولانا موصوف نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا ہوا ہے۔ مولانا عربی کے اعلیٰ پائے کے انشاء پرداز ہیں ان کی اکثر تصانیف عربی میں ہیں۔ مولانا کا اصل ہدف توحید خالص کی دعوت و تبلیغ اور مبتدعانہ و مشرکانہ عقائد و افعال کا ابطال اور بیخ کنی ہے۔ موصوف جماعت توحید والسنّۃ کے امیر بھی ہیں۔ مولانا اور جماعت کی مساعی سے موضع پنج پیر اور گرد و نواح کے ماحول میں خصوصاً اور دور دراز کے علاقوں میں عموماً توحید خالص نے مضبوط بنیادوں پر جڑ پکڑ لی ہے۔ مولانا کافی ضعیف ہیں۔ اندازہ ہے کہ پچھتر سال سے زیادہ عمر ہو گی لیکن ہمت و حوصلہ جواں ہے اور نوجوانوں کے لئے قابلِ رشک اور پیروی ہے۔

جس وقت میثاق کا یہ شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے گا تو اس وقت تک رمضان المبارک کا وہ مہینہ سایہ فگن ہو چکا ہو گا یا ہونے والا ہو گا جس کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے ایک مہینے کے آخری دن ایک خطبہ میں دی تھی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "لوگو! تم پر ایک عظمت و برکت والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ اس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس کے روزے فرض ہیں۔ رات کا قیام نفل ہے۔ اس مہینہ میں نوافل پر دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اور فرائض پر ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے۔ صبر کا بدلہ جنّت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے..... اس مہینے کے پہلے عشرے میں رحمت ہے۔ دوسرے عشرے میں مغفرت ہے اور آخری عشرے میں دوزخ سے آزادی ہے۔ یہ برکاتِ الٰہی کا مہینہ ہے۔ قرآن مجید نے اس مہینہ کی خصوصیت "تقویٰ" قرار دی ہے۔ اور نبی اکرمؐ نے بشارت دی ہے کہ "جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان و احتساب کے ساتھ، اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اور جس نے رمضان کی راتوں میں قیام کیا ایمان و احتساب کے ساتھ، اس کے تمام پچھلے گناہ بخشد یئے گئے"۔ ایمان اور احتساب روزے کے لئے لازمی شرائط ہیں۔ دراصل یہ تقویٰ ہی کی شرح ہے۔ "تقویٰ" مستلزم ہے ایمان و احتساب کو۔ جب یہ یقین ہو کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو اپنی ذاتِ اقدس

اور صفاتِ کمال میں تنہا و یکتا ہے اور آخرت میں ہر ذی نفس کو اس کے حضور میں محاسبے کے لئے کھڑا ہونا ہوگا تو اس کے دل میں اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کے لئے ایک مضبوط قوتِ ارادی پروان چڑھے گی۔ یہی مفہوم ہے اس آیت مبارکہ کا: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ۝ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝

روزے کی یہ ایک اہم برکت ہے کہ وہ انسان کی قوتِ ارادی کی نہایت احسن طریق سے تربیت کرتا ہے۔ چونکہ نفس کے منہ زور گھوڑے کو لگام دینے کے لئے بڑی مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر روزے کے رکن کو ان تمام شرائط کے ساتھ بجا لایا جائے جو شریعت حقہ نے مقرر کی ہیں تو ایسے مسلمان کو اگلے گیارہ مہینے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ کی وہ مشق حاصل ہو جاتی ہے جو اس کی سیرت کی صحیح تعمیر کے لئے ضروری ہے۔

اس مہینہ میں مسلمان کا دل خواہی نہ خواہی طور پر دین کی طرف راغب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر رفقاء اس مہینہ میں اضافی طور پر یہ بوجھ بھی اٹھائیں کہ زیادہ سے زیادہ حضرات سے رابطہ قائم کر کے ان کو دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک تجدید ایمان ۔ توبہ ۔ تجدید عہد کا لٹریچر پہنچائیں تو انشاءاللہ یہ کام ان کی نیکیوں میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ لیکن یہ کام ایمان و احتساب کے ساتھ روزے رکھنے اور 'قیام لیل' ...... میں حارج نہیں ہونا چاہیئے۔ ہر چیز کا مقام و محل ہے اس کے اعتبار سے ہمیں اپنے معمولات میں نظر رکھنی چاہیئے۔

یوں تو رمضان المبارک برکات کا مہینہ ہے۔ جہاں اکثر جگہ اس کی آمد کی بہار سے زیادہ پذیرائی ہوتی ہے وہاں قرآن اکیڈمی میں بھی اس بابرکت ماہ کی خوب پذیرائی ہوتی ہے اور علم و عرفان کے انوار کی بارش ہوتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امیر محترم کا عموماً یہ معمول رہا ہے کہ تراویح کے ساتھ ساتھ موصوف تلاوت کردہ حصے کے اہم مطالب و مفاہیم پر روشنی ڈالا کرتے ہیں۔ امسال امیر محترم کا ارادہ ہے کہ وہ ہر پارے کا رواں ترجمہ کیا کریں گے اور اہم آیات کی مختصر تشریح بھی —— پہلے بھی قرآن اکیڈمی میں تراویح کی نماز بارہ بجے شب کے قریب ختم ہوتی تھی۔ اگر ڈاکٹر صاحب کا یہ سلسلہ شروع ہوا تو ڈیڑھ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ گویا اکیڈمی میں رمضان المبارک کی ہر شب بیداری میں گزرے گی۔

تنظیم اسلامی کا آٹھواں سالانہ اجتماع ۲۵ تا ۳۰ مئی کو لاہور میں منعقد ہو رہا ہے۔ کوشش کی

جارہی ہے کہ یہ شمارہ اجتماع کے اختتام سے قبل طباعت کے مراحل سے گزر کر پریس سے آجائے۔ اسی طرح اس امر کی بھی بھرپور کوشش ہو رہی ہے کہ امیر محترم کے خطابات پر مشتمل تین نئی مطبوعات بھی اجتماع کے موقع پر پریس سے آجائیں۔ ایک کتاب امیر محترم کے خطاب "اسلام میں عورت کا مقام" پر مشتمل ہے۔ یہ خطاب مئی ۱۹۸۲ء میں "میثاق" کی اشاعت خصوصی میں شائع ہو چکا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس کو اتنا قبول عام حاصل ہوا کہ اس اشاعت خصوصی کا دوسرا ایڈیشن بھی طبع کرانا پڑا۔ یہ پرچہ دفتر میں ختم ہوئے عرصہ ہو گیا لیکن اس کی مانگ برابر آرہی تھی۔ لہٰذا اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ اس میں امیر محترم کے خطاب کے علاوہ چند دوسری مفید چیزیں بھی شامل ہیں۔ "اسلام میں عورت کا مقام" وقت کا سب سے زیادہ زیر بحث، نازک اور اہم مسئلہ ہے۔ توقع ہے کہ جو لوگ بھی خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ کو سمجھنا چاہیں گے ان کے لئے ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا۔ دعوتی نقطۂ نظر سے بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ طبقے بالخصوص اپنی ان دینی بہنوں تک پہنچایا جائے جو یا تو معاشرے کے دباؤ میں یا مغالطوں میں آکر اس معاملہ میں تذبذب کی شکار ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ان شاء اللہ ان پر یہ امر واضح ہو جائے گا کہ صنف نازک پر اسلام نے کتنے عظیم احسانات کئے ہیں اور ان پر ان کی جسمانی ساخت اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے ایک اسلامی معاشرے میں کتنا بلند و اعلیٰ اور ارفع و باوقار مقام عطا کیا ہے۔ اور معاشرت کا وہی شعبہ ان کے سپرد کیا گیا ہے جو عین ان کی فطری ساخت اور ذہنی افتاد سے کامل موافقت و مطابقت رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ "مساوات مرد و زن" کا نعرہ درحقیقت ان کو مغالطہ دے کر ان کے کاندھوں پر وہ بوجھ بھی لادتا ہے جس کی فاطر فطرت کی طرف سے وہ ہرگز مکلّف نہیں ہیں۔

دوسری کتاب امیر محترم کے خطاب بعنوان "دینی فرائض کا جامع تصور" پر مشتمل ہے موصوف نے قریباً دو سال قبل کراچی میں مسلسل پانچ دن میں سورہ حدید مکمل اور سورہ صف مکمل کا درس دیا تھا۔ اس پروگرام کی تکمیل جمعرات کو ہوئی تھی۔ متصلاً جمعہ کے دن امیر محترم نے مندرجہ بالا موضوع پر اجتماع جمعہ میں ایک مختصر لیکن جامع خطاب ارشاد کیا تھا۔ جو اسی زمانے میں کیسٹ سے منتقل کر لیا گیا تھا۔ امیر محترم کا ارادہ تھا کہ وہ اس موضوع پر ایک مقالہ تحریر فرمائیں گے۔ اس کی ایک قسط انہوں نے تحریر بھی کر لی تھی جو محاضرات قرآنی کے خصوصی اجلاس منعقدہ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں پیش بھی کی گئی تھی لیکن دوسری قسط کی تحریر

کی نوبت تاحال نہیں آئی۔ یہ خطاب میثاق میں بھی تاحال شائع نہیں ہوا تھا۔ اس خطاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زبان اور طرزِ استدلال بہت عام فہم ہے۔ لہٰذا اسے بھی کتابی شکل میں شائع کرنے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔

تیسری کتاب امیرِ محترم کے اس خطاب پر مشتمل ہے جو موصوف نے محاضراتِ قرآنی منعقدہ مارچ ۱۹۸۴ء کی پہلی نشست میں "جہاد بالقرآن" کے موضوع پر ارشاد فرمایا تھا۔ یہ خطاب امیرِ محترم کے ان خطابات میں سے ایک ہے جن میں اندازِ خطابت، فصاحت و بلاغت اور طرزِ استدلال نہایت مؤثر ہیں۔ ان شاء اللہ یہ خطاب تنظیم اسلامی کی مطبوعات میں ایک قیمتی اضافہ شمار ہوگا اور دعوتِ اسلامی کے تعارف اور توسیع کے لئے ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوگا۔ اسی خطاب کی دوسری کڑی "اسلامی انقلاب کے لئے التزامِ جماعت اور مسئلہ بیعت" کے موضوع پر امیرِ محترم کی وہ تقریر ہے جو موصوف نے اس محاضرات کی تیسری نشست میں کی تھی۔ ارادہ تھا کہ یہ خطاب بھی کیسٹ سے منتقل ہو کر تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع کے موقع پر منصۂ شہود پر آجائے۔ لیکن وقت بھی مختصر تھا اور خوش نویس حضرات کی دستیابی بھی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ لہٰذا اس ارادے کے باوجود یہ کام انجام نہ پا سکا۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو یہ خطاب کتابی شکل میں شوال کے اختتام تک شائع ہو جائے گا۔

امیرِ محترم ہندوستان حیدرآباد دکن کے دعوتی دورے پر ۹ اپریل کو عازمِ سفر ہوئے تھے اور ۲۵ اپریل کو مراجعت ہوئی تھی۔ ۲۷ اپریل کے اجتماعِ جمعہ میں امیرِ محترم نے اس دورے کے تأثرات و مشاہدات پر اظہارِ خیال فرمایا۔ ساتھ ہی قادیانیوں سے متعلق اس صدارتی آرڈی ننس پر بھی تبصرہ کیا جو اسی روز کے اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ مزید برآں چونکہ جمعہ کو ۲۷ رجب کی تاریخ تھی جس کے تین دن بعد شبِ معراج تھی۔ لہٰذا اختصار کے ساتھ موصوف نے اس محیر العقول واقعہ پر بھی روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر کیسٹ سے منتقل کر کے "شذرات" کے عنوان سے اسی شمارے میں پیش کی جا رہی ہے۔ ہندوستان کے اس دورے میں امیرِ محترم کے فرزند رشید میاں ڈاکٹر عارف رشید سلمہٗ ان کے ساتھ تھے۔ وہ اس دورے کی تفصیلی روداد لکھ رہے ہیں۔ کوشش ہے کہ وہ اسی شمارے میں شامل ہو جائے ـــــ امیرِ محترم ۵ مئی کو اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے دوسرے فرزند اور راقم کے

رفیق کار میاں حافظ عاکف سعید سلمہٗ کے ساتھ عمرے اور دعوتی دورے پر سعودی عرب تشریف لے گئے ہیں۔ اس مرتبہ امیر محترم کے پاس Visit - Visa ہے۔ لہٰذا عمرے اور مسجد نبوی میں حاضری کی سعادت کے ساتھ ہی ان شاء اللہ سعودی عرب کے بعض مشہور شہروں میں دعوتی پروگرام بھی ہوں گے۔ ۲۰ مئی کو واپسی کا پروگرام ہے۔ اللہ تعالیٰ امیر محترم کو صحت کے ساتھ اپنی حفظ و امان میں رکھے تاکہ دعوت کی توسیع کا کام جاری رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب جس طرح دعوتی سرگرمیوں میں مصروف و مشغول ہیں، وہ بظاہر احوال نہایت ہی صبر آزما ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی توفیق اور جذبہ صادق ڈاکٹر صاحب کو عطا نہ ہوا ہوتا تو یہ کام آسان نہ رہتا۔ امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے اپنی مرتب کردہ مجموعہ احادیث میں سند صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں مہبط وحی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کی عظمت، اس کا مقام، اس کا مرتبہ و رتبہ واضح فرمایا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: من قال بہ صدق و من عمل بہ اجر و من حکم بہ عدل و من دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم ط "جس نے قرآن کے مطابق بات کہی اس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحق اجر ہوا، اور جس نے قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو صراط مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی"۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو اور ان لوگوں کو جو قرآن کی دعوت میں اپنی زندگیاں لگا رہے ہیں اور کھپا رہے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کا مصداق و مستحق قرار دے جو اس حدیث کے آخری حصہ میں بیان ہوئی ہے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

جناب حافظ نصیر احمد غزنوی کی مرتب کردہ کتاب "اظہار حق ۔ قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینہ میں" کی بالاقساط اشاعت 'میثاق' میں ہو رہی ہے۔ اس کی ابھی قریباً نصف اقساط باقی ہیں۔ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جون کے شمارے کی قسط کے بعد اس کی اشاعت بند کر دی جائے۔ اللہ کو منظور ہوا تو اب تک کی شائع شدہ اقساط اور بقیہ اقساط کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے گا ـــــــ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶ کے دوران

قرآن مجید کے متعلق یہ الفاظ مبارکہ وارد ہوئے ہیں: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ اس کا صحیح فہم اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب موجودہ دور کے ان فتنوں کا معروضی طور پہ مطالعہ کیا جائے۔ جو اپنے باطل نظریات کے حق میں دلائل لانے کے لئے قرآن حکیم کی آیات ہی کو بازیچۂ اطفال بناتے ہیں۔ قادیانیت اس کی بدترین مثال ہے۔ پھر منکرین حدیث ہیں، اباحیت پسند گروہ ہے جو اپنے مذموم و باطل نظریات و افکار کے لئے قرآن ہی کا غلط استعمال کرتا ہے۔ کہیں ستر و حجاب کے احکام کی من مانی تاویلات کرتا ہے۔ کہیں عورت کے حدود کار اور اس کے حقوق و فرائض کا تعین قرآن سے ہٹ کر موجودہ ناخدا آشنا تہذیب کی بنیاد پر کرتا ہے لیکن اسے عین قرآن کے مطابق قرار دیتا ہے۔ کہیں ربا (سود) کو نئی شکلیں دے کر اور ان کے دلفریب نام رکھ کر خلقِ خدا کو دھوکا دیتا ہے۔ کہیں سرمایہ داری اور زمینداری کے موجودہ استحصالی نظام کی تائید میں قرآن سے دلائل فراہم کرتا ہے۔ کہیں اشتراکیت کے لادین فلسفے اور فکر کو قرآن سے ثابت کرتا نظر آتا ہے۔ ایسے ہی کج فہم بلکہ دنیادار لوگوں کے متعلق قرآن میں ارشاد فرمایا گیا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ—

"جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں (قرآن کی آیات) متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو (قرآن کی منشاء کے خلاف) معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا اور کون جان سکتا ہے۔"

البتہ راسخ العلم لوگوں کے سینوں کو اللہ تعالیٰ ان متشابہات پر بھی انشراح صدر عطا فرماتا ہے اور وہ اس سے بھی دانائی و حکمت کی باتیں معلوم کرتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔ دین کا علم نہ ہونے یا ناقص و محدود ہونے کے باعث ان کی عیاریوں کا بڑی آسانی سے ہمارے سادہ لوح عوام شکار ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ ہمارے علماء کرام اپنی اصل قوت ان فتنوں کے سدّباب کے محاذ پر لگائیں۔ جو وحدت ملّت کو پارہ پارہ کرنے اور اسلام کے حقیقی خد و خال کو مسخ کرنے کا باعث بنے ہوئے ہیں اور اپنی صلاحیتیں، اپنا علم، اپنی توانائیاں اسلام کی حقانیت پر مبنی دعوت کو عام کرنے کی جدوجہد کریں تاکہ عوام ان فتنوں سے محفوظ رہ سکیں ـــ اگر ہم ان فتنوں سے غافل رہے تو یہ ہماری دینی، ملی اور قومی زندگی کے لئے انتہائی مہلک ثابت ہو سکتے ہیں

الہُدیٰ
(پندرھویں نشست)

اُولوالالباب کے ایمان کی کیفیّت
سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع
آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ کی روشنی میں

(مباحث ایمان)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیویژن کے دروس کا سلسلہ

(۲)

اَلسَّلَامُ علیکم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم - امّا بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللّٰہِ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ
وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِیْنَ
یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ
وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ
وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○

معزز حاضرین اور محترم ناظرین!

گذشتہ نشست میں ہم نے سورہ آلِ عمران کی چھ آیات یعنی آیت ۱۹۰ تا ۱۹۵ کی تلاوت کی تھی اور ان کا ایک رواں و سادہ ترجمہ بھی ذہن نشین کر لیا تھا۔

ان کے بارے میں بعض تمہیدی باتیں بھی نوٹ کرلی تھیں - آج ہمیں ان آیات پر ذرا زیادہ گہرائی میں جاکر غور و فکر کرنا ہے - اس مقصد کے لئے میں نے آج ابتدائی تین آیات کی آغاز میں دوبارہ تلاوت کی ہے - میرا خیال ہے کہ ان کا ترجمہ بھی کر دوں تاکہ آپ اُسے پھر ایک بار ذہن نشین کرلیں - ترجمہ یہ ہے -

"یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں نشانیاں ہیں ہوش مند اور باشعور لوگوں کے لئے - وہ لوگ جو بیٹھے اور کھڑے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے رب ہمارے! تو نے یہ سب کچھ بیکار اور بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو اس سے پاک ہے - پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا - اے رب ہمارے! بے شک جسے تو نے آگ میں داخل کیا اُسے تو نے پوری طرح رسوا کر دیا اور ایسے ظالموں کے لئے یقیناً کوئی مددگار نہیں ہوگا -"

ان آیات مبارکہ کے متعلق جیسا کہ پچھلی مرتبہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ان میں ایمان کی بحث آ رہی ہے - ایمان کن کا! ہوش مند اور باشعور لوگوں کا - پہلی آیت میں جو لفظ آیا ہے 'اولی الالباب'، سب سے پہلے اس پر اپنی توجہ کو مرتکز کیجئے - 'الباب والے'۔ الباب جمع ہے لُب کی - لُب کسی چیز کے اصل جوہر کو کہتے ہیں - ہم اُردو میں بھی بولتے ہیں کہ "پوری بحث کا لُبِّ لباب یہ ہے" - تو کسی شے کا اصل جوہر اس کا لُب کہلاتا ہے - اب غور کیجئے کہ انسانیت کا اصل جوہر کیا ہے - آپ کو معلوم ہے کہ اہل منطق اور اہل فلسفہ نے انسان کو حیوانِ عاقل قرار دیا ہے - لہٰذا انسان کا خلاصہ، انسان کا اصل جوہر، اس کا لُبِ لباب انسان کی عقل ہے - اولوالالباب سے مراد وہ ہوش مند اور باشعور لوگ ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں - جیسا کہ میں نے پہلے بھی ایک مرتبہ عرض کیا تھا کہ فہم قرآن کا ایک اہم اور سنہری اصول ہے کہ: اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا

قرآن مجید کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے۔ چنانچہ اس اصول کو سامنے رکھ کر جب ہم نگاہ دوڑاتے ہیں تو عجب حسنِ اتفاق ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ سورہ آل عمران کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت ہے اور سورہ بقرہ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت میں بھی یہی مضمون آیا ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ آیا ہے فرمایا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

اب نوٹ کیجئے کہ اس آیتِ مبارکہ میں مظاہرِ فطرت (NATURAL PHENOMENA) کی ایک طویل فہرست آگئی ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ:

"یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور اس کشتی میں جو سامان کو لے کر دریا میں چلتی ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے اور وہ پانی کہ جو اللہ نے بلندی سے برسایا اور اس کے ذریعے سے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد از سرِ نو زندہ کیا اور اس زمین میں ہر قسم کی جان دار چیزوں کو پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلنے میں اور اس بادل کے چلنے میں جو آسمان اور زمین کے مابین معلق ہیں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

دیکھئے یہاں آخر میں الفاظ آئے "لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ" جب کہ سورہ آلِ عمران میں الفاظ آتے ہیں لِّاُولِی الْاَلْبَابِ معلوم ہوا کہ اولوالالباب وہ لوگ ہیں کہ جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ جن کی عقل پر جذبات و شہوات اور تعصب کے پردے پڑے نہیں ہوتے جو تفکر و تدبر

کرتے ہیں۔ جن کا شعور بیدار ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ ہر معاشرے میں ہر دور میں انسانوں کی عظیم اکثریت تو ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں اگر دو پاؤں پر چلنے والے حیوان قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ جس ماحول میں آنکھیں کھولتے ہیں وہاں جو کچھ ہوتا دیکھتے ہیں وہی کرنے لگتے ہیں۔ اُن کی اپنی آزاد فکر کوئی نہیں ہوتی۔ آزاد سوچ کوئی نہیں ہوتی۔ وہ غور ہی نہیں کرتے کہ ہم کون ہیں! کہاں سے آئے ہیں! ہماری زندگی کا مآل کیا ہے! مبدأ کیا ہے! معاد کیا ہے! اس کا مقصد کیا ہے! — لیکن ہر دور میں ہر معاشرے میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کا مزاج تقلیدی نہیں ہوتا جو خود سوچنا چاہتے ہیں۔ جو اصل اور بنیادی سوالات فلسفہ اور مذہب کے مابین مشترک ہیں، وہ ان کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں اور گویا وہ زندگی کا راستہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر چلنا چاہتے ہیں یہ ہیں وہ لوگ جو اولوالالباب ہیں، ہوش مند لوگ، باشعور لوگ۔ ان کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کسی معاشرہ کا BRAIN TRUST ہوتے ہیں، یہ کسی سوسائٹی کا INTELLECTUAL MINORITY ہوتے ہیں۔ ذہین و فطین اقلیت ہوتے ہیں۔ اب ان کے بارے میں قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ اگر یہ لوگ کتابِ فطرت کا مطالعہ کریں تو انہیں اس کائنات میں ہر چہار طرف نشانیاں نظر آئیں گی۔ نشانیاں کس کی۔؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ مراد ہے اللہ کی نشانیاں — ایمان باللہ کا ذریعہ کتابِ فطرت کا مطالعہ ہے۔ اور یہ جو مظاہرِ فطرت ہیں، ان کا مشاہدہ ہے کہ ان میں سے ہر ہر چیز اللہ کی نشانی ہے۔

دیکھئے عربی لفظ "آیت" کے معنی ہیں "نشانی"۔ اب غور کیجئے کہ ہم نشانی کسے کہتے ہیں! کسی شے کی یا کسی شخص کی یا کسی ہستی کی نشانی وہ ہے جس کو دیکھتے ہی ذہن بے اختیار اور بلا ارادہ اُس شے، یا اُس شخص یا ہستی کی طرف منتقل ہو جائے۔ آپ کے دوست کی ایک نشانی آپ کے پاس تھی۔ آپ کی بہت عرصہ سے اپنے اس دوست سے ملاقات نہیں ہوئی — وہ

آپ کی یادداشت کے انبار میں گم ہوگیا ہے یا محو ہوچکا ہے یہاں تک کہ آپ ایک روز اپنا سوٹ کیس کھولتے ہیں اور وہ رومال یا قلم یا کوئی دوسری چیز آپ کی نگاہ میں آتی ہے جو آپ کے دوست نے اپنی نشانی کے بطور آپ کو دی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی دفعتاً وہ دوست آپ کو یاد آجاتا ہے۔ یہ ہے نشانی کا حقیقی مقصد اور اس کی اصل غایت۔ قرآن مجید کے نزدیک اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ کی نشانی ہے۔ یہ نشانیاں آفاق میں بھی ہیں، انفس میں بھی ہیں۔ یہ نشانیاں کائنات میں ہر چہار طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ خود ہمارے اندر اور وجود میں بھی ہیں۔ جیسے ایک مقام پر فرمایا: سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ "ہم انہیں دکھلائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور خود ان کے اپنے وجود میں ان کے اپنے اندر، ان کی اپنی ہستی میں"۔ گویا اس کائنات اور انسان کے اپنے باطن میں بے گنت اور بے شمار اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔ ان کو دیکھ کر ایک صاحب خرد کو اللہ یاد آسکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ قرآن مجید ایمان باللہ یا معرفت خداوندی کے لئے اہل منطق کا راستہ اختیار نہیں کرتا۔ وہ اللہ کی ہستی کے اثبات کے لئے منطقی دلائل نہیں دیتا بلکہ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ قرآن حکیم بدیہیاتِ فطرت پر اپنے استدلال کی بنیاد قائم کرتا ہے۔ جیسے کسی نشانی کو دیکھ کر کوئی یاد آجاتا ہے ایسے ہی اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ کی نشانی ہے۔ اس کو دیکھ کر ان پر غور و فکر کرکے انسان اللہ کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن اگر آپ اسے کسی درجہ میں منطق کا جامہ پہنانا چاہیں تو اس کا تجزیہ یوں ہوگا کہ یہ وجود، یہ سلسلۂ کون و مکان عقلاً مستلزم ہیں ایک خالق کو۔ کوئی تو پیدا کرنے والا، کوئی تو بنانے والا ہونا چاہیئے۔ آپ سے آپ تو کوئی چیز وجود میں نہیں آتی۔ کوئی ہستی ہے کہ جس نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے۔ گویا کہ اس کائنات کی اپنی جگہ پہ جو موجودگی ہے اور جمادات و نباتات اور حیوانات کا جو وجود پایا جاتا ہے وہ خالق کے وجود

کے لئے دلیل ہے - لہٰذا اس معنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کائنات ذات واسمائے صفاتِ باری تعالےٰ کی جلوہ گاہ ہے - اس کائنات، جملہ موجودات اور نظام کائنات پر ہم جب غور کریں گے تو نظر آئے گا کہ اس کا پیدا کرنے والا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے - اس کائنات کی وسعتوں کا اندازہ کرو اور دیکھو اور سوچو کہ اس کائنات کے پیدا کرنے والے کی خلاّقی کا کیا عالم ہے اور اس کی قدرت کا کیا ٹھکانا ہے! پھر یہ کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ بھی ہے - اس کے علم میں کہیں کوئی کمی اور نقص نہیں ہے - مزید یہ کہ اس کائنات کا خالق العزیز یعنی زبردست اور غالب بھی ہے - پوری کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کا محکوم ومطیع ہے ساتھ ہی اس کائنات کا پیدا کرنے والا ایک حکیم کامل بھی ہے اس لئے کہ اس نے جو کچھ تخلیق فرمایا ہے اس میں ہر چیز حکمت سے پُر ہے یہاں کوئی چیز بے مقصد اور بلا غایت نہیں ہے - پس معلوم ہوا کہ کائنات کے مشاہدے سے وجودِ باری تعالےٰ اور اللہ تعالےٰ کی صفاتِ کمال تک انسان کا ذہن پہنچے گا - یہ مفہوم ہے ان دو آیات کا یعنی سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کے درس کی پہلی آیت کا اور یہی مفہوم ہے سورہ بقرہ کے بیسویں رکوع کی آیت نمبر ۱۶۴ کا جو میں نے ابھی آپ کو سنائی -

اس کائنات کی گتھی کو سلجھانے کے لئے انسان کے ہاتھ میں یوں سمجھئے کہ الجھی ہوئی ڈور کا جو سرا ہاتھ آیا تو وہ ہے معرفت خداوندی - اللہ کو پہچاننا - ظاہر بات ہے کہ اس الجھی ہوئی ڈور کو آپ نے مزید سلجھانا ہے تو اس سرے کو ہاتھ سے نہ چھوڑیئے گا - ورنہ ساری کی کرائی محنت ضائع ہو جائے گی - اس میں یہی ربط ہے کہ اولوالالباب کے تذکرہ کے متّا بعد ان کے اوصاف ان الفاظِ مبارکہ میں بیان فرما دیئے :- اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ - جب اپنے غور وفکر اور کتابِ فطرت کے مطالعے اور مظاہرِ فطرت کے مشاہدے سے ان اولوالالباب نے اللہ کو پہچان لیا تو ہر دم اور ہر لحظہ وہ اللہ کو یاد رکھتے ہیں اللہ

ان کے دل میں ہر آن مستحضر رہتا ہے - ذکر کے معنی میں عرض کر چکا ہوں کہ استحضار اللہ فی القلب ہیں - دل میں اللہ کی یاد موجود رہے اور اس سرے کو ہاتھ میں رکھ کر مزید گتھی سلجھائیں : وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ "اور وہ مزید غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں" آگے بڑھنے سے پہلے ہیں اس موقع پر یہ بات نوٹ کرا دوں کہ ذکر و فکر یہاں جس کیفیت کے حامل ہو کر ساتھ ساتھ آئے ہیں وہ بڑی اہمیت پر مشتمل ہیں - اس لئے کہ انسان کے غور و فکر کا عمل (PROCESS) صحیح رُخ پر اُسی وقت آگے بڑھے گا جب کہ بیک وقت یہ دونوں چیزیں موجود ہوں - یہ گاڑی کے دو پہیے ہیں گاڑی ایک پہیہ پر نہیں چلے گی - ذکر بھی ہو اور فکر بھی ہو دونوں ضروری ہیں - بدقسمتی سے ہمارے یہاں یہ دو حلقے جُدا جُدا ہو گئے ہیں - کچھ لوگ وہ ہیں جو ذکر کے لذّت آشنا ہیں لیکن وہ فکر کے میدان میں قدم نہیں رکھتے - کچھ لوگ وہ ہیں جو غور و فکر کی وادی تو طے کرتے ہیں لیکن ذکر کی لذّت سے محروم رہتے ہیں - لہٰذا دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہو گئی ہیں اور مطلوبہ نتائج اسی لئے پیدا نہیں ہوتے - مولانا رومؒ نے اس کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ کہا ہے ؎

ایں قدر گفتیم باقی فکر کُن　　فکر اگر جامد بود در ذکر کُن

اتنا تو ہم نے تم کو بتا دیا آگے سوچو، غور و فکر کرو اور اگر فکر میں کہیں رکاوٹ محسوس کرو وہ جامد ہو جائے تو پھر ذکر کرو ع ذکر آرد فکر را در اہتزاز ! اس ذکر سے فکر میں پھر ایک حرکت پیدا ہو گی - وہ صحیح رُخ پر اور صحیح سمت میں آگے بڑھے گا - ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز - یہی بات علامہ اقبال بڑی خوبصورتی سے کہتے ہیں ؎

جزبہ قرآں ضیغمی روباہی است　　فقر قرآں اصل شاہنشاہی است
فقر قرآں با اختلاطِ ذکر و فکر　　فکر را کامل نہ دیدم جُز بہ ذکر

"قرآن کے بغیر شیر بھی گیدڑ بن جاتا ہے۔ اصل شہنشاہی قرآن کے تعلیم کردہ فقر میں ہے۔ جانتے ہو یہ فقرِ قرآنی کیا ہے؟ یہ ذکر و فکر دونوں کے مجموعے سے وجود میں آتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ ذکر کے بغیر فکر کامل نہیں ہو سکتا۔"

اس آیتِ مبارکہ میں دیکھیے فرمایا: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج یہاں ذکر کی اہمیت کو تین حالات کے حوالے سے جن سے انسان عالمِ بیداری میں مسلسل دوچار رہتا ہے، بیان کیا گیا ہے یعنی کھڑے جس میں چلنا آپ سے آپ شامل ہے، بیٹھے جس میں کام میں مشغول ہونا شامل ہے۔ اور پہلوؤں پر لیٹے جس میں آرام کا مفہوم شامل ہے، اللہ کی یاد کا اہتمام والتزام کرتے ہیں۔ اس کے ذکر سے زبان سے تحمید و تسبیح، تہلیل و تمجید کے مسنونہ کلمات کی ادائیگی بھی مراد ہے اور دل میں اللہ تعالےٰ کے حاضر و ناظر اور علیم و خبیر اور حفیظ و رقیب (نگران) ہونے کا یقین ہونا بھی شامل ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ کائنات کی تخلیق میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔

ذکر و فکر کے اس اختلاط سے وہ جس نتیجہ تک پہنچتے ہیں اس کو آگے بیان فرمایا: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہ وہ پکار اٹھتے ہیں "اے رب ہمارے! تو نے یہ سب بے مقصد اور بلا غایت اور بیکار پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے، منزّہ ہے اس سے کہ کوئی کارِ عبث کرے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔" یہاں قدرے تفصیل کی ضرورت ہے۔ ان اولوا الالباب کے سامنے جو پہلی بات آئی وہ یہ ہے کہ اس کائنات میں کوئی چیز بے مقصد نہیں ہے۔ اور دوسری بات جس کا یہاں ذکر نہیں ہے لیکن جسے ہم اپنے دوسرے سبق کے ضمن میں سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کے درس میں مجازاتِ عمل کے متعلق حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کہ: یٰبُنَیَّ اِنَّہَا

اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ فطرت انسانی میں نیکی و بدی اور تقویٰ و فجور کا شعور و امتیاز ودیعت شدہ ہے - الہامی طور پر اس کا ضمیر جانتا ہے کہ نیکی، نیکی ہے - بدی، بدی ہے[1] - لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ نیکی کے نتائج اچھے نکلیں - بدی کے نتائج بُرے نکلیں - گندم از گندم بروید جو ز جو - دُنیا میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر معاملہ الٹا ہے - نیکوکار لوگوں کے لئے یہاں مصائب اور تکالیف ہیں - آپ ذرا فیصلہ کر لیجئے کہ مجھے جھوٹ نہیں بولنا معلوم ہوگا کہ زندگی اجیرن ہو جاتے گی - حرام و حلال کی حدود پر کاربند رہنے کا فیصلہ کیجئے تو دو وقت کی سوکھی روٹی ملنی بھی مشکل ہو جاتے گی - اس کے برعکس جن لوگوں کے نہ کچھ اصول ہیں نہ اقدار ہیں نہ ہی وہ کچھ قیود و حدود کے پابند ہیں - ان کو جہاں بھی موقع ملتا ہے اور ہاتھ پڑتا ہے - وہ دست درازی سے نہیں چوکتے - ان کے لئے یہاں عیش ہے اور آرام ہے - یہاں ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لئے سہولتیں مہیا ہیں — ان دو متضاد و مختلف نتیجوں کو دیکھ کر چند سوالات ہر باشعور انسان کے ذہن میں ابھرتے ہیں - وہ یہ کہ یا تو یہ دنیا ناقص ہے مکمل نہیں ہے - یا پھر ہمارا وہ خیال غلط ہے کہ نیکی نیکی ہے اور بدی بدی ہے - یہ صرف ہماری خوش فہمی (WISHFUL THINKING) ہے - پھر ..... اگر فطرت اس بات پر مصر ہو کر نہیں حقیقت نفس الامری یہی ہے کہ نیکی نیکی ہے، بدی بدی ہے یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہیں: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط تو پھر عقل اور ذہن انسانی یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس دُنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہونی چاہیئے جس میں اخلاقی نتائج بھرپور طریقے پر برآمد ہوں نیکوکاروں کو

---

[1] وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ه فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس آیات ۷-۸)

ان کی نیکیوں کا بھرپور صلہ ملے - بدکاروں کو ان کی بدی کی بھرپور سزا ملے[1] یہ ہے وہ عقلی سفر ایمان باللہ سے ایمان بالآخرت تک کا کہ جب اولوالالباب اللہ کو یاد رکھتے ہوئے مزید غور و فکر کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہاں کوئی شے بے مقصد و بیکار نہیں ہے - پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے باطن میں نیکی، تقویٰ اور بدی، فجور کا جو شعور ہے وہ بے نتیجہ رہے - اس دُنیا میں ان کا نتیجہ نہیں نکل رہا - لازماً ایک دوسری زندگی ہونی چاہیئے جس میں نیکی اور بدی کے بھرپور طور پر نتائج برآمد ہوں اور نیکوکاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا ملے - جب وہ لوگ اس عقلی نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں تو وہ اللہ تعالےٰ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر استدعا کرتے ہیں کہ "اے ہمارے ربّ تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا - تو پاک ہے - اے ہمارے ربّ ! اُس زندگی کی عقوبت اور سزا سے ہمیں بچا تو - اُس زندگی میں جو آگ میں جھونک دیا گیا وہ تو ذلیل و رسوا ہو گیا اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ وہاں ظالموں کا مددگار کوئی نہیں ہوگا: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

ان آیات میں خلاصہ ہے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے عقلی سفر کا - یہ فطری اسلوبِ استدلال ہے جو ان تین آیات میں جس جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے میرے محدود مطالعۂ قرآن حکیم کی حد تک اسکی کوئی دوسری نظیر موجود نہیں ہے — آج کے درس کے سلسلہ

---

[1] یہ بات سورہ قلم میں بایں الفاظِ مبارکہ فرمائی گئی: اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ "کیا ہم (آخرت میں) فرماں برداروں اور مجرموں کا ایک سا حال کریں گے ؟ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تم کیسے (وہمی و خیالی) حکم لگاتے ہو؟" آیات ۳۵ - ۳۶ (مرتب)

میں کوئی سوال ہو ـــــــــ یا کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں ۔

سوال وجواب

سوال : ڈاکٹر صاحب ! قرآنِ مجید کی رو سے عقل کا کیا مقام ہے ۔؟
جواب : ان آیات مبارکہ میں تو یقیناً عقل کی تو بڑی عظمت آئی ہے ۔ ان کے متعلق فرمایا گیا ہے : اُولِی الْاَلْبَابِ ، قَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ہوشمند لوگ ، صاحب خرد لوگ ، وہ لوگ جو عقل سے کام لیتے ہیں ۔ لیکن عقل کے بارے میں بہت صحیح بات علامہ اقبال نے اس شعر میں کہہ دی ہے ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور ۔۔۔۔ چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے[۱]

صرف عقل انسان کو منزل تک نہیں پہنچاتی ۔ اگرچہ اس کو صحیح راہ پر ڈال دیتی ہے ۔ یہ POINTER ہے ، چراغِ راہ ہے راہ دکھلانے والی روشنی ہے لیکن منزلِ مقصود تک انسان کو پہنچانے والی چیز وحیِ آسمانی ہے ۔

سوال : ڈاکٹر صاحب ! آپ نے فرمایا کہ کسی چیز کا وجود اس کے خالق کو ثابت کرتا ہے ۔ کارلائل جو مشہور فلاسفر ہے وہ اس چیز کو مانتا تھا لیکن پھر وہ سوال کرتا تھا کہ اس خالق کا وجود ثابت کرنے کے لئے پھر ایک خالق کا وجود ہونا چاہیئے ۔ اگر آپ سے اس سوال کا جواب مانگا جائے تو وہ کیا ہوگا ۔؟

جواب : یہ بات بالکل صحیح ہے کہ خالص منطق یقیناً اس کا تقاضا کرے گی ۔ پھر آپ خود غور کریں کہ یہ سلسلہ لامتناہی ہوگا چونکہ ہر چیز کے خالق کا وجود ثابت کرنے کے بعد بھی یہ سوال باقی رہے گا ۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن مجید نے منطقی طرزِ استدلال اختیار نہیں کیا ۔ واقعہ

---

[۱] علامہ مرحوم کا یہ شعر بھی بڑا پیارا ہے ؎
عقل گو آستاں سے دُور نہیں ۔۔۔۔ اس کی تقدیر میں حضور نہیں (مرتب)

یہ ہے کہ ہمارے بہت سے متکلمین نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ محض منطق سے وجودِ باری تعالےٰ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اور جیسا کہ آپ کے علم میں ہو گا کہ کانٹ نے اپنی مشہور کتاب THE CRITIQUE OF PURE REASON میں ثابت کیا ہے کہ باری تعالےٰ کے وجود کے اثبات پر جو منطقی دلائل قائم کئے گئے ہیں منطق خود ان کا توڑ کر دیتی ہے لہٰذا منطقی دلائل سے اللہ کے وجود کو ثابت کرنا واقعہ یہ ہے کہ ممکن نہیں ہے۔ وجودِ باری تعالےٰ کا علم فطرتِ انسانی میں ودیعت شدہ ہے اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ حکمتِ قرآنی کی بنیاد صرف منطقی استدلال پر نہیں ہے بلکہ اس کی اصل اساس بدیہیاتِ فطرت پر ہے۔ آپ اپنی فطرت کی بنیاد پر جس چیز کو جانتے اور مانتے ہیں ان میں عقلی مسلّمات کے اضافے سے حکمتِ قرآنی کا عمل مکمل ہوتا ہے۔

حضرات! ان آیاتِ مبارکہ کے بارے میں عرض ہے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس مختصر وقت میں ان کی عظمتوں کا بیان ممکن نہیں ہے۔ بہرحال ہمارے سامنے ایک خلاصہ آیا ہے کہ اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کے ضمن میں قرآن حکیم کیا عقلی استدلال پیش کرتا یا شعور و فکر کے لئے کون سا راستہ تجویز کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی اس راہ سے یقینِ محکم عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ٥

خریدار حضرات سے گذارش ہے کہ وہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے ادارہ کو غیر ضروری زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ امید ہے کہ آپ آئندہ ہماری گذارش کو ملحوظِ خاطر رکھیں گے۔ (ادارہ)

توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ اور
توحید فی العمل یا توحید فی الطلب کا

فریضۂ اقامتِ دین

ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطاب درس کی پانچویں قسط

اس آیت مبارکہ کے آخری حصہ میں علمی اعتبار سے ایک اہم مضمون آ رہا ہے۔ اسے بھی توجہ کے ساتھ سنئے اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے ــــ فرمایا:

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۝

"اللہ ہی کھینچ لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی جانب جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے"

یہ بڑی اہم بات ہے کسی شخص کے راہ ہدایت پر آنے کے دو طریقے ہیں۔ یہ مختلف طباع اور مزاج کی بات ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو تو اللہ ہی فیصلہ کر کے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور بعض لوگ محنت کر کے کوشش کر کے رجوع کر کے اللہ کے راستے کی طرف آتے ہیں۔

اجتباء اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان یہ بھی ہے کہ وہ چاہے تو کسی راہ چلتے کو بلا لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدین سے مصر جا رہے تھے کہ راستہ ہی سے کھینچ بلایا۔ اور کوہ طور پر نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ آپؑ سے کلام فرمایا: وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا۔ وہ کلیم اللہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ گھر سے ننگی تلوار لے کر آں حضورؐ کے قتل کے پختہ ارادے سے نکلے تھے لیکن راستہ ہی سے ان کا رُخ اپنی ہمشیرہ کے گھر کی طرف پھیرنے کے اسباب پیدا فرما دیئے جو خود اور ان کے شوہر حضرت سعید ابن زیدؓ ایمان لا چکے تھے۔ بہن کی عزیمت دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل موم

ہوا۔ کلام الٰہی سننے کی خواہش کی اور سن کر دل کی کایا ہی پلٹ گئی۔ حجابات دور ہو گئے۔ وہی ننگی تلوار جو قتل کے ارادے سے لے کر گھر سے نکلے تھے غلاموں کی طرح گلے میں ڈال کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو کر جاں نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہو گئے۔ دربار نبوی سے فاروق کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی اجتباء ہوا۔ آں حضورؐ کو مکہ میں دعوتِ توحید دیتے ہوئے چھ سال بیت گئے تھے۔ آپؐ کی شدید مخالفت ہو رہی تھی لیکن حمزہ ان سب سے بے نیاز اپنے مشاغل میں لگے رہتے تھے جن میں نمایاں شوق تیر کمان لے کر علی الصبح شکار کو نکل جانا اور شام کو واپس آنا تھا۔ ایک شام جب واپس آئے تو لونڈی نے اس زیادتی کا ماجرا سنایا جو اس روز ابوجہل نے آں حضورؐ کے ساتھ کی تھی۔ قرابت داری کے جذبہ نے جوش کھایا۔ پہلے تو جا کر کمان سے ابوجہل کا سر پھاڑا اور کہا لو میں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاتا ہوں۔ پھر حضورؐ کی خدمت میں آ کر فی الواقع مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ اسد اللہ واسد رسولہ اور سید الشہداء کے القاب سے ملقب ہوئے۔

انابت دوسری قسم کے لوگ خود ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ جو ہدایت کا طالب ہے اسے ہم ہدایت دیں گے۔ اس نے تو گویا ہم پر اپنا حق قائم کر دیا۔ اس لئے کہ وہ خود طالبِ ہدایت ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو لوگ ہمارے لئے محنتیں کریں۔ کوشش کریں۔ ہدایت کے طالب بنیں اس کے لئے قربانیاں دیں ان کے لئے ہمارا پختہ وعدہ ہے کہ ہم انہیں لازماً اپنے راستہ کی ہدایت دیں گے۔ یہی بات یہاں فرمائی کہ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ "اللہ ہدایت دیتا ہے اپنی جانب جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے"۔ جو بھی حق کا طالب اور متلاشی ہے۔ جس کے دل میں بھی انابت ہے جس میں حق کی طلب صادق ہے جو کسی تعصب اور عصبیت میں مبتلا نہیں ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ راہِ ہدایت دکھاتا ہے اور اس پر اس کو لے آتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی درخشاں مثال ہیں۔ وہ اپنی فطرتِ سلیمہ اور طلب حق کی بنیاد پر صدیق اکبر کے مقام ارفع پر فائز ہوئے۔ عشرہ مبشرہ میں اکثر وہی حضرات گرامی شامل ہیں جو راہِ حق کے از خود جویا تھے۔ حضرت سلمانؓ فارسی ہیں جو طلبِ حق میں کہاں سے روانہ ہوئے، کن کن منازل پر ٹھہرے اور پھر کس طرح دامن محمدیؐ سے وابستہ ہوئے۔ یہ انابت الی اللہ کی مثالیں ہیں۔

صوفیاء کی دو اصطلاحات
سالک مجذوب اور مجذوب سالک

ہمارے یہاں صوفیاء میں دو اصطلاحیں رائج ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ ہوتے ہیں سالک مجذوب اور کچھ ہوتے ہیں مجذوب سالک۔ سلوک عربی کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں چلنا۔ لہٰذا سلوک کے معنی راستہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح طریق اور طریقت بھی چلنے اور راستہ کو کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک سالک مجذوب وہ ہیں جو خود چل کر اللہ کی طرف آتے ہیں اور اللہ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ بھی لیتا ہے، انہیں ہدایت دیتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے رجوع کیا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ، وہ تو پہلے سے حق کے متلاشی ہیں۔ اسی راستے پر چلے آرہے ہیں حقیقت کے دروازے پر وہ بھی دستک دے رہے تھے۔ یہ بات دوسری ہے کہ دروازہ کھلا جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ اسی لئے انہوں نے فوراً تصدیق کی اور حضورؐ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ انہیں تصدیق کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کو میں نے دعوت پیش کی ہو اور اسے کچھ نہ کچھ تردد نہ ہوا ہو اور اس نے کچھ نہ کچھ توقف نہ کیا ہو سوائے ابوبکر کے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وجہ یہ تھی کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

مجذوب سالک وہ ہیں جن کو پہلے اللہ تعالیٰ خود ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور انہیں ہدایت دیتا ہے۔ پھر ان کو تربیت کے مراحل سے گزارا جاتا ہے جیسے حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

یہ مفہوم ہے سالک مجذوب اور مجذوب سالک کا۔ صوفیاء نے یہ اصطلاحات شاید آیت کے اسی حصہ سے اخذ کی ہیں کہ: اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ "اللہ جسے چاہے چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو خود اس کی طرف رجوع کرے تو اللہ اسے لازماً ہدایت دیتا ہے"

اہلِ ایمان کو تسلی

آیت کے اس حصے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے توسط سے اہل ایمان کے لئے تسلی و تشفی کا پہلو بھی موجود ہے کہ مکہ کے مشرکین کی شدید مزاحمت و مخالفت اور جور و تعدی نیز انتہائی مایوس کن حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ راستہ کھولے گا اور وہ تبارک و سبحانہٗ کچھ لوگوں کو اپنے دین کی طرف کھینچ لے گا اور ان مشرکین میں جو نیک سرشت ہوں گے، جن کی فطرت سلیم ہوگی، جن کی عقل سلیم ہوگی، جن میں

ذرا بھی انابت ہوگی، وہ خود چل کر آجائیں گے۔ اللہ ان کو بھی راہِ ہدایت سے بہرہ مند فرمائیگا۔

اہلِ کتاب کی مخالفت کا سبب

اب آگے والی آیت میں دوسری جماعت یعنی اہلِ کتاب کی مخالفت کے سبب کو اختصار لیکن انتہائی جامعیت و بلاغت سے بیان فرمایا جارہا ہے۔ مشرکین عرب تو بے علم تھے۔ اَن پڑھ تھے۔ ان کے پاس شریعت نہیں۔ وہ وحی، نبوّت و رسالت اور انزال کتب سماوی سے بالکل ناآشنا۔ ان کے مقابلہ میں تھے یہود اور ان کے علماء و فضلاء۔ ان کے پاس کتاب، ان کے پاس شریعت، وحی اور انزال کتبِ سماوی سے وہ واقف، سلسلۂ نبوّت و رسالت سے وہ آشنا۔ توحید سے وہ روشناس، بعث بعد الموت کے وہ قائل، حساب کتاب اور جنّت و دوزخ کے وہ مقر ــــ ان کے لئے تو جناب محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوتِ توحید میں کوئی اجنبیّت نہیں تھی۔ کوئی نرالی اور انوکھی بات نہیں تھی۔ وہ تو خود نبی آخرالزمان کے ظہور کے منتظر تھے۔ جن کتابوں کو وہ خود آسمانی کتابیں تسلیم کرتے تھے ان میں یہ پیشین گوئیاں موجود تھیں کہ خاتم النبیین والمرسلین کی بعثت فاران کی چٹیل اور کھجوروں کے جھنڈ کے علاقہ میں ہوگی۔ وہیں ان کا ظہور ہوگا جس سے مراد حجاز کے علاقہ کے سوا کوئی دوسرا مقام نہیں ہوسکتا[1] حضرت سلمان فارسیؓ ایک عیسائی راہب سے یہ اطلاع پاکر ہی حجاز کے لئے عازم سفر ہوئے تھے ــــ پھر یہود اوس و خزرج کو دھمکیاں دیتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جب ہم ان کی زیرِ قیادت تم سے جنگ کریں گے تو لازماً تم پر غالب آئیں گے۔ لیکن قرآن شہادت دیتا ہے کہ یہ یہود آں حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت میں مشرکین سے بھی زیادہ شدید تھے اور آپؐ کی دعوتِ توحید کے خلاف قریش اور عرب کے دوسرے قبائل سے ریشہ دوانیوں اور سازشیں کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ فتنہ و فساد کو اکسانے میں پیش پیش رہتے تھے ــــ ان کی مخالفت کے سبب کو اگلی آیت میں بیان

---

[1] ممکن ہے کہ اسی وجہ سے یہود کے تین بڑے قبیلے فلسطین اور شام کے علاقے چھوڑ کر مدینہ اور خیبر میں آکر آباد ہوئے ہوں۔ اور اوس و خزرج کے قبیلوں کو نبی آخرالزمان کے ظہور کی خبریں دیتے ہوں۔ (مرتب)

کیا گیا ہے۔ اس آیت مبارکہ کے بھی پہلے شَرَعَ لَكُمْ والی آیت کی طرح تین حصّے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ تینوں حصّوں کی علیحدہ علیحدہ تشریح و توضیح کروں۔ فرمایا:

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ

"اور ان لوگوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس حال میں کہ ان کے پاس علم آچکا تھا (بلکہ تفرقہ کا سبب یہ تھا) کہ وہ ایک دوسرے پر زیادتی کریں"

سیاقِ کلام سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ آیت کے اس حصّے میں اہل کتاب کے تفرقہ کا ذکر ہے۔ اسی آیت کے آخری حصّہ میں وراثتِ کتاب کا ذکر آرہا ہے۔ وارثِ کتاب تو یہود و نصاریٰ ہی تھے۔ آیت کے اس حصّہ میں تفرقہ کا سبب نہایت جامعیت اور بلاغت سے بیان ہو رہا ہے کہ ان اہل کتاب نے جو تفرقہ کیا ہے۔ وہ جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، وہ جو منقسم ہو گئے۔ تو اس کا باعث لاعلمی نہیں ہے بلکہ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ہے ـــــ دیکھئے کتنی عجیب بات ہے۔ دین و شریعت ایک ہے۔ یہود و نصاریٰ دونوں تورات کے ماننے والے ہیں۔ پھر بھی تفرقے میں مبتلا ہیں۔ پھر تفرقہ در تفرقہ ہے۔ یہود بھی مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور نصاریٰ بھی۔ اور ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں[1]۔ حالانکہ پوری تاریخ مشترک۔ آج بھی عیسائی جس کتاب کو بائبل کہتے ہیں، اس کا بڑا حصّہ تو OLD TESTAMENT "عہد نامہ عتیق" ہے۔ یہ دراصل تورات اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد NEW TESTAMENT "عہد نامہ جدید" ہے۔ جس میں چار کتابیں وہ ہیں جو اناجیل اربعہ کہلاتی ہیں ـــ ان کے بعد پال اور دوسروں کے خطوط ہیں، جن کو وہ "رسولوں کے خطوط" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہودی جن انبیاء کو مانتے ہیں، عیسائی بھی ان سب کو مانتے ہیں لیکن تفرقہ ہے۔ ضد در ضد ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف فتوے ہیں۔ یہ سب کیوں اور کس لئے ہے؟ میں یہ ساری باتیں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ جب بھی کوئی توحید کی خالص دعوت لے کر اٹھے گا۔ حالات یہی ہوں گے۔ اسے اسی نوع کے حالات سے سابقہ پیش آکر رہے گا۔ یہ صورتِ حال کبھی نہیں بدلے گی۔ بقول علامہ اقبال ؎

---

[1] موجودہ دور میں عرف اسلام دشمنی میں عیسائی ان یہود کے حامی، پشت پناہ اور حلیف بن گئے ہیں۔ درآنحالیکہ ان کے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھوانے والے یہودی تھے۔ (مرتّب)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

آج بھی اگر تجدید و احیاءِ دین کے لئے اور خالص دعوتِ توحید کے لئے کہیں کسی کے کوئی قافلہ چلے گا تو اسے انہی نوع کے دو گروہوں سے واسطہ پڑے گا اور سابقہ پیش آئے گا۔ جیسے دورِ حاضر میں۔ یا تو ہمارے عوام الناس ہیں کہ جن کو دین کی کوئی خبر نہیں۔ ان کے نزدیک دین نام ہے محض ایک عقیدے کا اور چند رسومات کا۔ ان کو حقیقی دین کا علم سرے سے ہے ہی نہیں ۔۔۔ ان کا دین تو قبر پرستی ہے یا تعزیہ پرستی۔ ان کے دین کا سب سے بڑا مظہر یا عرس ہے یا تعزیوں کے جلوس ہیں۔ یا اب ایک اور جلوس کا اضافہ ہوگیا ہے جو عید میلاد النبی کا جلوس ہے۔ ان کا دین تو ان ہی چیزوں کا نام ہے ان کے سوا ان کو دین کا اور کوئی علم اور خبر ہے ہی نہیں۔ نماز سے انہیں سروکار نہیں روزے سے انہیں بحث نہیں ۔۔۔ ان کا کل کا کل دین بس ان چیزوں کا نام ہے ۔ یہ گروہ تو گویا ان لوگوں کے مشابہ ہوگیا جو حقیقتِ نفس الامری سے بہت دور نکل گیا تھا ۔ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۔ ان کے لئے خالص توحید والے دین کی طرف آنا بڑا ہی مشکل ہے ۔ آسان کام نہیں ہے ۔ اِلّا ماشاء اللہ ۔۔۔ ہمارے یہاں دوسرا گروہ وہ ہے جن کے فتوے چلتے ہیں ۔ دین کے مسائل کے لئے جن کی طرف لوگوں کا رجوع ہے ۔ جن کی دینی مسندیں ہیں ۔ جن کے اونچے اونچے مناصب ہیں ۔ ان میں سے خاص طور پر جن کا سرکار دربار سے ربط و تعلق قائم ہو جائے وہ تو یوں سمجھئے کہ کریلا اور نیم چڑھا ۔ ان میں جو جو خرابیاں پیدا ہو چڑھتی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں ۔ علمائے سوء کی اکثریت بھی اکثر و بیشتر ان ہی میں سے ہوتی ہیں جو سرکاری درباری علماء ہوتے ہیں ۔ ایسے ہی علماء سوء کے فتووں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی پیٹھ پر کوڑے برستے رہے ہیں ۔ ایسے ہی علماء کے فتووں سے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کو جیل میں ڈالا گیا ہے ۔ ان ہی کے فتووں سے امام ابوحنیفہؒ جیل میں ڈالے گئے اور ان کو کوڑے لگائے گئے ۔ جب امام مالکؒ کی مشکیں کس کے کوڑے لگے ہیں اور گدھے پر بٹھا کر ان کی مدینہ کی گلیوں میں جو تشہیر کی گئی ہے تو اس کی پشت پر اس وقت کے درباری مفتیان کے فتوے موجود نہیں تھے ۔ جن کے فتاویٰ اس وقت کی حکومت کو حاصل نہ ہوں ! یہ درباری سرکاری اقتدارِ وقت کے منہ چڑھے ہی عالم و فاضل لوگ تھے جنہوں نے جلال الدین اکبر کو " دینِ الٰہی " عطا کیا تھا ۔ اکبر کا تو باپ بھی دینِ الٰہی خود تجویز نہیں کر سکتا تھا ۔ اس کو مرتب کرنے والے تو ابوالفضل اور فیضی تھے جو بہت بڑے عالم تھے ۔ اتنے بڑے عالم کہ ابوالفضل نے قرآن مجید کی پوری تفسیر اس طور پر لکھی

کہ اس میں کوئی حرف نقطہ والا نہیں آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حال ہی میں سیرت مطہرہ پر ایک ایسی
کتاب بھی لکھی گئی ہے جس میں نقطہ والا کوئی حرف نہیں آیا جس کی صدرِ مملکت صاحب کی جانب
سے بڑی مدح کی گئی ہے۔ یہ تو سیرت کی کتاب تھی۔ ابو الفضل نے تو قرآن کی پوری تفسیر لکھی کہ جس
میں کوئی نقطہ والا حرف نہیں آیا۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ اس تفسیر پر علماء نے کوئی نکیر کی ہو۔
ممکن ہے کہ تفسیر میں اس نے کچھ گڑبڑ نہ کی ہو لیکن یہ وہی شخص ہے جو اکبر کے لئے "دین الٰہی" تصنیف
کر رہا ہے۔ اور اکبر کی اس راہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے[1]۔ لہٰذا جب بھی منظم طور پر توحید کی
دعوت اٹھے گی یہ دو طرفہ یلغار ہو گی۔ مخالفتیں ہوں گی۔ ابتلاء اور آزمائش اسی طور سے آئیں
گی جیسے اس وقت آئی تھیں۔

اس آیت کے اس حصہ کے عموم لفظ کے بین السطور BETWEEN THE LINES
اگر آپ دیکھیں گے اور READ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ ہیں وہ مراحل و ادوار جو
خالص دعوتِ توحید کے نتیجے میں ہمیشہ آ کر رہیں گے۔ ایک وہ عوام، جہلاء جو دین سے دور نکل گئے
ان کو دین سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ کوئی تعلق ہی نہیں۔ سوائے بدعات، رسومات اور خرافات
کے وہ دین سے کوئی واسطہ اور علاقہ رکھتے ہی نہیں۔ ایک وہ جن کا پڑھنا پڑھانا بھی ہے۔ دین
سے تعلق بھی ہے۔ مسندیں بھی ہیں۔ فتاویٰ بھی ہیں۔ ارشاد بھی ہے، سب کچھ ہے۔ لیکن
الا ماشاء اللہ حال یہ ہے: وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ
تفرقے کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ حق جب آئے تو وہ واضح نہ ہو۔ گنجلک ہو۔ تو اس
کی اس آیت کے آغاز میں نفی کر دی گئی ہے کہ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ
پس معلوم ہوا کہ تفرقہ کا باعث لاعلمی اور ناواقفیت نہیں ہے۔ "العلم" ان تک پہنچ چکا تھا۔
ہدایتِ ربانی اور حق جب بھی آیا ہے بہت مبرہن، واضح اور بیّنہ بن کر آیا ہے۔ آخری پارے
کی سورۂ بیّنہ میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ فرمایا: وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ "جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر

---

[1] امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کا جب فارسی کا ترجمہ کیا تھا تو وقت کے علماء نے شاہ صاحب کے خلاف کفر کا فتویٰ دیدیا تھا۔ چنانچہ عوام کے ایک گروہ نے اسی فتویٰ سے متاثر ہو کر شاہ صاحب پر دہلی کی جامع مسجد فتحپوری میں ان کو قتل کرنے کے لئے یلغار بھی کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا تھا۔ (مرتب)

اس کے بعد کہ ان کے پاس "البینۃ" آگئی تھی"۔۔۔ یعنی حق روشن و مبرہن صورت میں انکے سامنے پیش کر دیا گیا تھا۔ ان اہل کتاب نے اندھیرے میں ٹھوکر نہیں کھائی بلکہ روز روشن میں جان بوجھ کر وہ راہ حق سے بھٹکے ہیں۔ ٹھیک ہے اہل عرب نے ٹھوکر کھائی، مکہ والوں نے ٹھوکر کھائی تو اندھیرے میں کھائی۔ ان کے پاس تو روشنی تھی ہی نہیں لیکن یہود تو اندھیرے میں نہیں تھے۔ وہ تو نبی اکرمؐ اور قرآن کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو: یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۔۔۔ پھر بھی ایمان نہیں لا رہے۔ کیوں؟ اس کو آیت کے اس حصے کے آخر میں بیان کیا گیا: بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۔۔۔ اس تفرقے کا اصل محرک ہے۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خواہش اور کوشش۔ ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی تمنا اور سعی۔ ایک دوسرے پر فوقیت آنے کی فکر۔ پھر قومی و گروہی مفادات۔ مناصب، تفاخر، وجاہت و حشمت، مذہبی قیادت و سیادت ان پر مستزاد تکبر ہے، حسد ہے کہ یہ فضیلت بنی اسمٰعیل کو کیوں مل گئی۔ یہ تو ہمارے خاندان کی میراث ہے۔ ڈھائی ہزار برس تک نبوت کا سلسلہ ہمارے ۔۔۔۔۔ یہاں جاری رہا ہے۔ کسی اور کو یہ فضیلت مل جائے، یہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ PERSONALITY CLASH تھا۔ یہ شخصیتوں کا تصادم تھا۔ یہ کون اوپر اور کون نیچے کا جھگڑا تھا۔ بالاتر کون ہے اور کمتر کون! یہ سارا فساد دراصل اس کا تھا۔ یہ لوگوں کی انانیت تھی جس کے باعث وہ تفرقے میں مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنی دنیوی اغراض اور مصالح کی خاطر حق سے اعراض ہی نہیں بلکہ اس کی مخالفت اور دشمنی پر کمر کس رکھی تھی۔ اب ان تمام تشریحات تصریحات کے ساتھ۔ آیت کے اس حصے کو پھر دیکھ لیجئے: وَمَا تَفَرَّقَ قَوْمًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۔

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

شذرات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے ۲۵/ اپریل ۸۴ء کو ہندوستان کے دورے سے واپسی کے بعد ۲۷ اپریل کے جمعہ کی تقریر میں جن تین موضوعات پر اظہارِ خیال فرمایا تھا اس کو "شذرات" کے عنوان کے تحت کیسٹ سے منتقل کر کے قدرے حک و اضافہ کے ساتھ میثاق کے قارئین کرام کے ملاحظہ کے لیے پیش کیا جا رہا ہے (ادارہ)

ڈاکٹر صاحب نے خطبۂ مسنونہ، سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت، سورۂ النجم کی آیات از ۱۱ تا ۱۸ کی تلاوت، بعدۂ ادعیۂ مسنونہ کے بعد فرمایا،

حضرات! دو ہفتوں کی غیر حاضری کے بعد آج ملاقات ہوئی ہے[1]۔ آج متعدد ایسی باتیں جمع ہو گئی ہیں جن کے بارے میں مختصر اظہارِ خیال مناسب ہے۔ میرے یہ دو ہفتے چونکہ ہندوستان میں گزرے ہیں۔ اور اس سرزمین سے ہمارا تعلق یہ ہے کہ ہم میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو وہاں سے نکالے یا نکلے ہوئے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند بہرحال تاریخی، جغرافیائی اور عمرانی اعتبارات سے ایک وحدت تھا۔ وہ اس لیے تقسیم ہوا کہ مسلمانوں کی قومیت کسی زمین سے وابستہ نہیں بلکہ وہ ایک آفاقی ملت اور عالمی اُمت کے افراد ہیں۔ ہمارے تحت الشعور میں یہ بات رچی بسی ہے۔ پھر شعوری طور پر یہ خطرہ محسوس ہوا کہ آزاد بھارت میں غیر مسلموں کی عظیم اکثریت مسلمانوں کی اقلیت کے دینی و قومی تشخص کو ختم کرنے کی کوشش کرے گی، لہٰذا مسلمانوں کو ایک علاحدہ آزاد و خود مختار علاقہ جس میں ان کی اکثریت ہے، ملنا چاہیئے تاکہ وہ اس ملک پر اللہ کا دین قائم کریں چنانچہ تحریک پاکستان چلی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۴/ اگست ۴۷ء کو پاکستان کے نام سے ایک آزاد و خود مختار سلطنت کا وجود عمل میں آگیا۔ یہ سلطنت دو حصّوں میں منقسم تھی اور ان کے مابین ایک ہزار میل سے زیادہ فاصلہ تھا۔ مراد ہے، مشرقی پاکستان۔ جو ہماری ناعاقبت اندیشیوں، غلط پالیسیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے پاکستان سے کٹ گیا اس کا نام بھی بنگلہ دیش ہو گیا اور اب مغربی پاکستان ہی "پاکستان" کے نام سے دنیا کے نقشہ پر موجود ہے۔ بہرحال پاکستان کو قائم ہوئے سینتیسواں سال چل رہا ہے۔ تقسیم کے وقت ہندوستان میں رہنے والے تمام مسلمان

---

[1] امیر محترم ۱۹ اپریل سے ۲۵ اپریل تک بھارت میں حیدر آباد دکن دعوتی دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ (مرتب)

تو نقل مکانی کر کے پاکستان نہیں آسکے اور اس وقت کی قریباً نصف تعداد ــــ پانچ کروڑ کے لگ بھگ ــــ وہیں رہ گئی۔ پاکستان آنے والے متعدد خاندان ایسے ہیں جن کے اعزہ و اقارب تا حال ہندوستان میں مستقل طور پر مقیم ہیں۔ اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم ہندوستان کے مسلمان شہریوں سے اپنے ذہن کو خالی کر لیں۔ لہٰذا یہاں کے مسلمانوں کو وہاں کے مسلمانوں کے حالات سے دلچسپی ہے۔ میں پہلی مرتبہ ۱۹۸۰ء میں جب ہندوستان گیا تھا تو واپس آکر میں نے وہاں کے اپنے مشاہدات و تاثرات تفصیل سے بیان کیے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ اب بھی آپ حضرات کی یہ خواہش ہوگی کہ اس سلسلہ میں کوئی نئی بات ہو تو میں اسے آپ حضرات کے گوش گذار کروں۔

دوسرا معاملہ اس اہم خبر سے متعلق ہے جو آج ہی صبح آپ نے اخبارات میں پڑھی ہوگی۔ یہ نہایت ہی اچھی خبر ہے جو بہت عرصہ کے بعد پڑھنے میں آئی ہے۔ قادیانیوں کے متعلق خواہ وہ ربوہ سے وابستہ ہوں خواہ لاہوری مکتب فکر سے، صدر صاحب کے جاری کردہ آرڈیننس پر بھی میں آج کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

تیسرے یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج رجب کی ۲۷ تاریخ ہے۔ ہجرت سے ایک سال قبل اسی ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو وہ محیر العقول واقعہ پیش آیا تھا جسے ہم واقعہ معراج[1] بھی کہتے ہیں اور اسراء کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں ــــ اسی مناسبت سے ارادہ یہ ہے کہ کچھ باتیں اس ضمن میں بھی آپ حضرات کے سامنے رکھوں ــــ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

ہندوستان کے حالیہ دورے کے تأثرات و مشاہدات

جہاں تک ہندوستان کے سفر کا تعلق ہے تو جو باتیں میرے پہلے سفر کا مشاہدہ تھیں ان کو میں تفصیل سے پہلی واپسی کے بعد بیان کر چکا ہوں اُس وقت بھی اور اب بھی میری رائے یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا اور اسلام کا مستقبل بہت مخدوش ہو جاتا اگر وہاں اللہ کے فضل و کرم سے چند خاص حالات پیدا نہ ہو جاتے۔ ان حالات کی وجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں اور اسلام کے لیے اُس درجہ کی تشویش ناک اور مخدوش صورتِ حال فی الوقت موجود نہیں ہے کہ جس درجے کا پہلے اندیشہ تھا ــــ ایک تو یہ کہ ہندوستان میں ابھی تا حال کوئی ایک مرکزی نیشنلزم DEVELOP نہیں ہو سکا۔ ہندوستانی قوم پرستی کا جذبہ اگر مضبوط ہو گیا ہوتا تو یقیناً مسلمانوں کے حالات وہاں ناگفتہ بہ ہو جاتے۔ وہاں بھی صورتِ حال کم و بیش وہی ہے جس کا ہمیں بھی کبھی کبھی تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ علاقائیت پسندی یا علاقائیت

---

[1] 'معراج النبیؐ' کے موضوع پر اسی نام سے محترم ڈاکٹر صاحب کا ایک خطاب مطبوعہ شکل میں موجود ہے (مرتب)

پرستی یا صوبوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے کے مطالبات ـــــ میں سمجھتا ہوں کہ وہاں یہ جذبات ہمارے یہاں کے مقابلے میں زیادہ شدید ہیں۔ جنوبی ہند اور شمالی ہند کے مابین ایک مستقل رسہ کشی ہے۔ چونکہ تہذیب کا بڑا فرق ہے۔ زبانوں کا بڑا بنیادی فرق ہے۔ آپ کو یہ بات جو میں نے پہلے بھی بیان کی تھی یاد ہو، اور جنہوں نے نہیں سنی، وہ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ اگرچہ شمالی ہند کا رہنے والا ہو یا جنوبی ہند کا دونوں ہی ہندو کہلاتے ہیں لیکن ان کے یہاں اس درجے فرق و تفاوت ہے کہ شمالی ہند میں رام چندر جی وہاں کے ہندوؤں کے ہیرو ہیں بلکہ وہ ایک طرح سے اوتار ہیں، معبود ہیں اور راون، باغی، فسادی، چور، ڈاکو اور شر کی علامت ہے۔ اس کا پتلا شمالی ہند میں ہر سال "رام لیلا" کے تہوار پر جلایا جاتا ہے ـــــ جنوبی ہند میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ وہاں کے ہندوؤں کا ہیرو راون ہے۔ وہ اس کی ایک نوع کی پوجا کرتے ہیں اور رام چندر جی کو وہ لٹیرا، غاصب، ظالم اور جنوبی ہند کی آزادی سلب کرنے والا حملہ آور سمجھتے ہیں۔ بعض شہروں میں رام چندر جی کا پتلا جلایا بھی جاتا ہے ـــ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنا تضاد اور فرق و تفاوت موجود ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں بھی سندھ میں کچھ کج فہم اور PERVERTED ذہن کے لوگ ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو لٹیرا اور ڈاکو کہا اور راجہ داہر کو حب وطن قرار دیا۔ درحقیقت یہ اس نوع کی چیزیں ہیں کہ جب علاقائیت پرستی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا نتیجہ اس طریقے سے ظہور کرتا ہے۔

دوسرا معاملہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ پہلے بڑی شدت کے ساتھ آسام وغیرہ میں اور اس علاقے میں جو ہندوستان کا شمالی شرقی کونا ہے جو قریباً ہندوستان سے کٹا ہوا ہے۔ ایک چھوٹا سا کوریڈور ہے جو بنگلہ دیش کے شمالی سرحد کے ساتھ ساتھ اس علاقے کو ہندوستان سے ملاتا ہے۔ اس علاقے کے چار پانچ صوبے ایک علاحدہ سا علاقہ کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ دھرم کے لحاظ سے سب ہندو ہیں پھر بھی ان کی تہذیب اور زبان ایک دوسرے سے نہیں ملتی۔ بہت فرق ہے۔ اس کے باعث ان کی آپس میں چشمک چلتی رہتی ہے اور مرکزی حکومت سے بھی ان کے روابط ناخوشگوار ہیں اور ان میں رخنہ پڑتا رہتا ہے۔ اب ہماری سرحد سے متصل شمال مغرب میں بھارتی پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اور سکھوں کے ایک مؤثر گروہ کی مرکزی حکومت سے جو کشمکش چل رہی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ روزانہ اخبارات میں خبریں آتی رہتی ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے ہندوستان کی لیڈرشپ کی توجہات ان گھمبیر مسائل کی طرف مرتکز ہو گئی ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کو سانس لینے کا موقع مل گیا ہے اور ان کے لیے یہ صورت حال نتیجہ کے اعتبار سے مفید ہے۔

تیسری بات جس کا ہندوستان جا کر صحیح اندازہ ہوتا ہے، جسے میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں،

یہ ہے کہ ہندوستان میں خود ہندوؤں میں تاحال ذاتیں اور چھوت چھات اسی طرح موجود ہے جیسی آزادی سے پہلے تھی۔ ہریجنوں کے ہندو دھرم کو چھوڑنے کے بھی وہاں متعدد واقعات ہوئے ہیں۔ جن کی خبریں اخبارات کے ذریعے یہاں بھی پہنچتی رہی ہیں۔ مزید اس ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندو مذہب کا کوئی احیا نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہندو مت میں اتنی جان، اتنا دم خم، اتنا وزن نہیں ہے کہ دنیا میں جدید علوم اور Sciences کی ترقی کی بدولت جو نقطۂ نظر پیدا ہوا ہے اس کا مقابلہ کرسکے۔ لہٰذا ہندو دیومالا کے احیا کی کوئی شکل پیدا ہونا مشکل ترین مسئلہ نظر آتا ہے۔ ہندو قوم پرستی تو پیدا ہوسکتی ہے لیکن ہندو مذہب کا احیا میرے نزدیک قریباً خارج از بحث ہے۔ آزادی کے بعد یہ ہوتا کہ ہندو قوم کا اپنے مذہب سے زیادہ لگاؤ پیدا ہوتا اسے زندہ کرنے کے لیے زیادہ سرگرمی ہوتی تو وہ صورت حال وہاں پیدا نہیں ہوئی۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کو ایک سہارا ملا ہے۔ ہم اسے INDIRECT RELIEF کہیں گے۔ لیکن بہرحال نتیجے کے اعتبار سے مسلمانوں کے لیے صورت حال نسبتاً بہتر ہوئی ہے۔

اس حالیہ دور سے میں میرا زیادہ وقت حیدرآباد دکن میں گزرا ہے۔ اس کا یہاں سے بڑا طویل فاصلہ ہے، وہ گویا جنوبی ہندوستان کا سرا ہے۔ حیدرآباد دکن استخلاص وطن تک ہندوستان کی بڑی عظیم ریاست تھی جو مسلمان تمدن کا بہت بڑا گہوارہ رہی ہے۔ جامعہ عثمانیہ اور اس سے متعلق جو ادارے تھے، انھوں نے اردو زبان کو جتنی تقویت پہنچائی اور تمام علوم حتیٰ کہ ہر نوع کی سائنس، انجینیرنگ اور میڈیکل کی تعلیم تقسیم سے قبل وہاں اردو میں ہو رہی تھی اور انتہائی زرِ کثیر خرچ کرکے ہر شعبے کے لیے نصاب اردو میں مدوّن و مرتب کر لیے گئے تھے۔ اتنی عظیم خدمات جامعہ عثمانیہ نے اردو کے لیے انجام دی تھیں۔ پھر یہ کہ میر عثمان علی خان بعض خوبیوں کے حامل بھی تھے۔ نوابوں اور راجہ مہاراجاؤں میں جس قسم کی خامیاں اور کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ اپنی جگہ ہیں۔ لیکن میر عثمان علی خان میں علم دوستی اور علماء کی قدر و منزلت بہت زیادہ تھی ان کے دور میں ہندوستان میں جہاں کہیں بھی مسلمان اصحاب علم و فضل اور ماہرینِ فن موجود تھے۔ ان میں سے اکثر کو کونے کونے سے کھینچ کر حیدرآباد میں بلانا اور مختلف اداروں میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کو لگانا ان کا قابلِ ستائش کارنامہ ہے۔ اس طرح حیدرآباد دکن میں اتنا بڑا علمی سرمایہ جمع ہوا کہ اس کے گہرے اثرات تاحال حیدرآباد کی فضا میں موجود ہیں۔ اگرچہ ہندوستان کی حکومت کی جانب سے ستمبر ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کے دوران اور اس کے متصلاً بعد ریاست حیدرآباد دکن پر جو کچھ بیتی تھی اس کے ایک وقتی ردِّ عمل کے طور پر مایوسی کی کیفیت سے وہاں کے مسلمان دوچار ہوئے تھے۔ اتنی بڑی ریاست کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن جانا بڑا عظیم سانحہ تھا پھر وہاں ان

حالات کی وجہ سے ہندوؤں میں جو سرکشی پیدا ہوئی اور ان میں جو انتقامی جذبات مشتعل ہوئے تو اس دور میں بڑے ہی سخت اور کٹھن حالات سے حیدر آباد کے مسلمانوں کو سابقہ پیش آیا۔ لیکن بحمد اللہ اب جو صورت حال ہے تو وہاں بہت حد تک سکون کی کیفیت ہے۔ البتہ کبھی کبھی وہاں کھٹ پٹ ہو جاتی ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات ہو جاتے ہیں۔ لیکن اب وہاں کا مسلمان ذہنًا اس کے لیے بالکل تیار ہے کہ اگر اسے ایسی صورت حال سے نمٹنا پڑ جائے۔ تو اسے اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی۔ کم و بیش پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی کیفیت یہی ہے کہ وہ اس نوع کے حالات سے نمٹنے کے لیے ذہنًا اور عملاً تیار ہیں۔ میں وہاں کے مسلمانوں کے اس عزم اور حوصلے کے لیے اپنی گفتگوؤں میں آج کل ایک مثال دے رہا ہوں۔ وہاں بھی میں نے یہ مثال دی ہے کہ جیسے بعض امراض ایسے ہیں کہ وہ جب کسی کو لاحق ہو جائیں تو ڈاکٹر مریض سے کہا کرتا ہے کہ بھائی اب تمہیں اسی مرض کے ساتھ زندہ رہنا ہے YOU HAVE TO LIVE WITH IT اب اگر کسی کو ذیابیطس ہو گئی ہو تو یہ جڑ سے جانے والی بیماری نہیں ہے۔ ایسے مریض کو اپنی عادات، مرغوبات اپنی خوراک کو اس بیماری کے ساتھ Adjust کرنا ہوگا۔ اپنے معمولات میں کچھ ترمیم کر کے اسے اسی مرض کے ساتھ زندہ رہنا ہے۔ تو ہندوستان کے مسلمانوں نے اس بات کو ذہنًا قبول کر لیا ہے کہ ہمیں اسی صورت حال کے ساتھ یہیں زندہ رہنا ہے۔ لہٰذا جب کبھی کوئی مڈبھیڑ، کوئی فساد، کوئی خون ریزی ہوتی ہے تو مسلمان اس صورت حال کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ ویسے بحیثیت مجموعی یہ صورت حال جنوبی ہند میں نہیں ہے۔ یعنی تامل ناڈ، کرناٹک اور کیرالہ وغیرہ جو خالص جنوبی ہند کے صوبے ہیں۔ یہ نام بھی آپ میں سے بہت سے لوگوں کے لیے نئے ہوں گے۔ اس لیے کہ ہندوستان میں گنتی کے صوبے اپنے سابقہ ناموں کے ساتھ باقی رہ گئے ہیں۔ وہاں نئے نئے صوبے وجود میں آئے ہیں نئے پردیش میں، نئے نام ہیں۔ پھر حکومت ہند نے صوبوں کی جو نئی حد بندی کی ہے۔ وہ خالص لسانی LINGUISTIC بنیاد پر کی ہے ہر صوبے کی اپنی ایک زبان ہے۔ وہاں کے تمام اندرونی معاملات اسی زبان میں طے ہوتے ہیں۔ صوبے کی حکومت کا تمام کاروبار صوبے کی حد تک صوبائی زبان میں ہوگا۔ مرکز سے ان کا رابطہ انگریزی کے ذریعے ہوگا۔ ہندی زبان کی بالادستی DOMINATION کو جنوبی ہند نے کسی طرح تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ ہندی پورے ہندوستان کی سرکاری زبان نہیں ہے۔ بلکہ صوبوں کی مرکز سے رابطہ کی اور صوبوں کے باہمی ربط کی زبان انگریزی ہے۔ اس طرح وہاں صورت حال بڑی حد تک بدل چکی ہے۔

جہاں تک جنوبی ہند کے تین بڑے بڑے صوبوں کا تعلق ہے تو وہاں مسلمان بڑے امن

اور سکون سے ہیں اور ان صوبوں کی حد تک فرقہ وارانہ فسادات کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ شمالی ہند میں فسادات ہوتے رہتے ہیں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہاں بھی مسلمانوں نے طے کر لیا ہے کہ ہمیں یہاں اسی صورت حال کے ساتھ ہی زندگی بسر کرنی ہے۔ میں یہ بات پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ شمالی ہند میں میرے پہلے سفر کے موقع پر کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ۱۹۷۱ء تک تو ہماری ذہنی کیفیت یہ تھی کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا محافظ پاکستان ہے۔ جب پاکستان دولخت ہو گیا اور ظاہر بات ہے کہ دو خطوں کے علاحدہ ہو جانے کے باعث اس کی مجموعی طاقت نصف ہی نہیں ہوئی بلکہ کئی گنا گھٹ گئی۔ پھر ہمارا جو رعب اور بھرم تھا۔ تو ۱۹۷۱ء میں سقوطِ پاکستان کا جو سانحہ و حادثہ ہوا تو وہ ختم ہوا۔ ساتھ ہی ہمارا وقار اور ہماری عزت بھی پہلے جیسی نہیں رہی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے یہ سوچا کہ پاکستان اپنی ہی حفاظت کر لے، یہی کافی ہے۔ باقی رہا یہاں کا معاملہ، تو یہاں خود ہمیں اپنی حفاظت کرنی ہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا ہے اور اب اگر کوئی نازک مرحلہ درپیش ہو گا تو مار کر مریں گے، بھیڑ بکریوں کی طرح نہیں مریں گے۔ الحمد للہ وہ اپنے اس عزم اور ارادے میں پختہ ہیں اور ان میں اب مرعوبیت اور شکست خوردی کے آثار نہیں ہیں۔ یہاں پاکستان میں بیٹھ کر ہمارا گمان ہوتا ہے کہ ہندوستان کا مسلمان بڑی پریشانیوں سے دوچار ہو گا۔ لیکن وہاں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ ضرور ہوا ہے کہ جیسے انگریز کی غلامی کے عہد میں ہوا تھا کہ مسلمانوں میں سرکار پرست حلقے کے لوگ انگریزی تہذیب میں بالکل رنگے گئے تھے۔ ہمارے ہاں بھی اس زمانے کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کچھ CIVIL MARRIAGE ہو گئیں۔ میں نام نہیں لینا چاہتا لیکن اس زمانے میں یہ ہوا ہے کہ ہمارے کچھ بڑے TOP کے لیڈر تھے۔ جن کی بچیوں نے ہندوؤں سے، سکھوں سے یا کسی دوسرے سے شادیاں کر لی تھیں۔ اس طرح کی کوئی اِکا دُکا مثال اب وہاں بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ مثالیں شاذ کے درجے میں ہیں الشاذ کالمعدوم۔ اس پر آپ یہ قیاس نہ کریں کہ شاید بحیثیت مجموعی وہاں یہ معاملہ ہو گیا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے بلکہ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ دینی اعتبار سے وہاں کا مسلمان ہمارے مقابلہ میں بہت بہتر حالت میں ہے۔ ہمیں دولت کی ریل پیل، فراوانی اور آسائشوں نے دین سے بہت دور کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آسائشیں اور دولت کی فراوانی دینی اعتبار سے مفید ہونے کے بجائے ہمارے حق میں نقصان دہ ہوئی ہیں۔ وہاں چونکہ ہر وقت مقابلے کی کیفیت رہتی ہے۔ لہٰذا وہاں اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھنے کا احساس اور جذبہ زیادہ ہے اور وہ اپنے دین کی بقا کے لیے ہم سے زیادہ فعال اور ACTIVE ہیں۔ وہ ہم سے زیادہ اپنی جگہ دینی کام کر رہے ہیں۔ اس وقت بھی ہندوؤں کی طرف سے کوششیں

ہورہی ہیں خاص طور پر راجستان میں کہ بڑے پیمانے پر مسلمانوں کو شدھی کرلیا جائے۔ اس لیے وہاں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو نام کے مسلمان ہیں۔ جیسے میو قوم تھی کہ ماضی میں کسی بزرگ سے متاثر ہوکر اس کے ایک قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن نہ ان کی تعلیم ہوئی، نہ تربیت ہوئی تو نام بھی ملے جلے سے رہے۔ ان میں مسلمانیت بھی تھی اور ہندوئیت بھی۔ رہن سہن خالص ہندوانہ اسی طرح راجستان کے بہت سے اسی قسم کے قبیلوں کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ ہندو ان کو شدھی کرنے کی بڑی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن مسلمان اس طرف سے غافل نہیں ہیں، بیدار ہیں، اس کی روک تھام کی کوشش کر رہے ہیں —— دوسری طرف یہ صورتِ حال بھی ہے۔ کہ جنوبی ہند میں ہندو مسلمان ہو رہے ہیں۔ وہاں گاؤں کے گاؤں ایک ساتھ مسلمان ہوئے ہیں۔ وہاں ہندوستان کی اصل ڈراور قوم کے لوگ اسلام کی طرف راغب اور مائل ہو رہے ہیں۔ اور وہاں مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا جارحانہ اور مؤثر انداز ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے تبلیغی کوششیں ہندوؤں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔

ایک بہت اچھی بات جو میرے خیال میں اسی صورتِ حال کا نتیجہ ہے جس سے ہندوستان کے مسلمان دوچار ہیں۔ یہاں کے مقابلے وہاں مجھے صورتِ حال بہت بہتر نظر آئی وہ یہ کہ جس طرح ہمارے یہاں بھی علاحدہ علاحدہ فقہی مکاتیبِ فکر ہیں، ان میں اختلافات ہیں۔ اسی طرح وہاں بھی ہیں۔ وہاں بھی مختلف مسالک کے لوگ موجود ہیں۔ بلکہ پاکستان میں حنفی ہیں، اہلِ حدیث ہیں اور شیعہ ہیں۔ جب کہ ہندوستان میں شافعی مسلک کے لوگ بھی کافی تعداد میں ہیں۔ مہاراشٹر اور کیرالہ ہندوستان کے مغربی ساحل کے دو ایسے صوبے ہیں جہاں شافعی المسلک مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ چونکہ اسی علاقہ میں عرب تاجروں کی تبلیغ سے اسلام پھیلا تھا جو زیادہ تر شافعی المسلک تھے۔ بمبئی کی جامع مسجد جو سب سے بڑی مسجد ہے وہ شافعی مسلک کی ہے، وہاں کے خطیب و امام شافعی ہیں —— تو یہ فقہی اختلافات وہاں بھی ہیں۔ اسی طریقہ سے جس طرح مختلف جماعتیں دین کے لیے یہاں کام کررہی ہیں۔ جیسے یہاں جمعیت العلماء ہے تو جمعیت علماء ہند وہاں بھی ہے اور بڑی قوی اور مؤثر ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا اسعد میاں اس کے سربراہ ہیں۔ پھر جماعتِ اسلامی یہاں ہے تو جماعت اسلامی وہاں بھی ہے۔ تبلیغی جماعت یہاں ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ تبلیغی جماعت کا اصل مرکز ہے ہی ہندوستان میں۔ تو جو تحریکیں اور جماعتیں ہمارے یہاں سرگرمِ عمل ہیں، وہاں بھی برسرِ کار ہیں۔ لیکن جو اچھی بات ہے وہ یہ ہے کہ یہاں ہمارے مختلف مکتب ہائے فکر میں اور تحریکوں میں جو تلخی ہے جو بُعد ہے، وہ

وہاں نہیں ہے بلکہ وہاں بحیثیتِ مجموعی رواداری بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر باہمی تعاون کی فضا موجود ہے۔ میں جنوبی ہندوستان میں جہاں بھی گیا وہاں میں نے یہی بات دیکھی۔ دہلی میں اور علی گڑھ میں بھی میں نے یہی خوشگوار کیفیت دیکھی۔

اس باہمی تعاون و اشتراک کی دو وجوہات ہیں جو بآسانی سمجھ میں آجاتی ہیں۔ یہ کہ چونکہ وہاں ایک مشترک دشمن سے مقابلہ ہے اور ہر وقت ہے لہٰذا مسلمانوں کے اندر اختلاف کی خلیج بڑھنے نہیں پاتی۔ چونکہ ان کو اندازہ ہے کہ یہاں ہم کن حالات سے دوچار ہیں اور ہمیں کس طرح اپنا تحفظ کرنا ہے یہ طرزِ عمل اس لحاظ سے نہایت مفید ہے کہ وہ اپنے اختلافات کو ایک حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ اور اختلافی مسائل پر مناظرہ و مجادلہ سے حتی الامکان اپنا دامن بچاتے ہیں۔ میں نے پچھلے سفر میں بھی مشاہدہ کیا تھا اور اس موقع پر بھی کہ وہاں اکثر دیوبندی اور اہلِ حدیث حضرات بریلوی مکتبِ فکر کی مساجد میں ان کے امام کی اقتداء میں نمازیں ادا کرلیتے ہیں۔ یہی روش اکثر بریلوی حضرات کی بھی ہے۔ یہ رواداری یقیناً باہمی اشتراک و تعاون میں بے حد ممد ہے ــــ ثانیاً یہ کہ وہاں سیاست کے میدان میں کوئی خاص توقع نہیں ہے ــــ اس کے برعکس یہاں پاکستان میں انتخابی سیاست نے زیادہ خرابی پیدا کی ہے۔ چونکہ جماعت اسلامی کو بھی انتخاب میں جانا ہے لہٰذا اسے بھی ووٹ چاہئیں۔ نورانی میاں کی جمعیت کو بھی ووٹ چاہئیں۔ اور مفتی محمود مرحوم کی جمعیت کو بھی ووٹ چاہئیں۔ ان سب کے پاس اپیل تو ایک ہی ہے۔ ووٹ اسلام ہی کے نام پر مانگے جائیں گے۔ لہٰذا جب تک وہ اپنے اپنے اسلام کو ممیز نہ کریں اور اس کا ایک جداگانہ تصور و تأثر اور تشخص قائم نہ کریں۔ تو اپنے لیے علاحدہ ووٹ کیسے حاصل کریں گے۔ یہ وہ چیز ہے، جس نے یہاں فقہی و کلامی اختلافات نے فرقہ واریت کی شکل اختیار کر رکھی ہے اور اسے جنگل کی آگ کی طرح بڑھا دیا ہے۔ انتخابات میں حصہ لینے کی خاطر یہی اختلافات دینی اعتبار سے ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ جمہوریت کے قیام کے لیے اتحاد ہو جائے گا چاہے اس اتحاد میں سوشلسٹ اور علاقائی قومیت کے نظریات رکھنے والی پارٹیاں بھی شامل ہوں، لیکن دین کیلئے آپس میں تعاون و اشتراک نہیں ہوگا الا ماشاء اللہ۔[۱]

---

[۱] پاکستان میں جماعتی عصبیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انجمن کے زیرِ اہتمام جو قرآن کانفرنسیں اور محاضرات منعقد ہوئے۔ ان میں اصرار کے ساتھ دعوت کے باوجود جماعت اسلامی کے اکابر نے اس عذر کی بنیاد پر حصہ لینے سے معذرت کا اظہار کیا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کو جماعت اسلامی سے اختلافات ہیں حالانکہ اہم اختلاف پالیسی اور طریق کار کا ہے۔ الحمد للہ ان میں دیوبندی، بریلوی اور اہلِ حدیث مسالک کے علماء اور اہلِ دانش نے بھرپور تعاون کیا اور اس پلیٹ فارم سے قرآن کا پیغام و پیام پہنچایا۔ (مرتب)

ہندوستان میں یہ چیز نہیں ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ یہاں مسلمان اتنی اقلیت میں ہیں کہ سیاسی اقتدار سے محبت دینی حلقوں کے لیے اس میدان میں کوئی CHANCE نہیں ہے۔ ویسے لبرل قسم کے مسلمان کانگریس (آئی) میں بھی ہیں، دوسری کانگریس اور جنتا پارٹی میں بھی ہیں۔ مسلم لیگ کا سیاسی پلیٹ فارم بھی موجود ہے۔ کچھ مسلمان ان کے ذریعے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں منتخب بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ کہ من حیث المجموع کسی مسلمان جماعت کا اقتدار میں آنا خارج از امکان و بحث ہے۔ یہ بات بھی اس خیر کے لیے ممد ہو گئی ہے کہ دینی جماعتوں میں اپنا اپنا علاحدہ تشخص قائم کرنے کا جذبہ زیادہ نہیں ہے۔ کافی بڑی حد تک دبا ہوا ہے۔ یہ جماعتیں اپنے اپنے طریقے پر کام کر رہی ہیں۔ تبلیغی جماعت اپنے طور پر کام کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی کا اپنا ایک انداز ہے۔ علماء کے جو دوسرے حلقے ہیں۔ وہ اپنے اپنے طریقوں پر دین کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ان میں اشتراک و تعاون بھی ہے۔ پھر یہ کہ ان جماعتوں کے علاوہ وہاں بہت سے مقامی طور پر تحقیقی ادارے قائم ہو گئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ علمی و تحقیقی انداز سے دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ پورے ہندوستان میں بحیثیت مجموعی ان سب کے مابین فضا تعاون کی ہے۔ وہ فضا آپ کو یہاں دیکھنے میں نہیں آئے گی۔ میں نے اس حالیہ سفر کے سولہ دنوں میں سے دس دن حیدرآباد دکن میں گزارے ہیں۔ وہاں خاص طور پر میں نے دیکھا کہ وہاں بحمداللہ یہ فضا بہت نمایاں ہے۔ وہاں باہم بڑا تعاون ہے۔ رواداری ہے۔ مختلف جماعتوں اور اداروں کا اپنا علاحدہ علاحدہ طریق کار بھی ہے لیکن صاف محسوس و مشہود ہوتا ہے کہ مل جل کر کام کر رہے ہیں۔ اس تعاون و اشتراک کی بڑی برکات ہیں جو وہاں ظاہر ہو رہی ہیں۔

ایک اور خاص بات جو اس مرتبہ سامنے آئی ہے کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کا کام وہاں بڑی تیزی کے ساتھ ہوا ہے۔ اس کا سب سے بڑا CREDIT وہاں کی جماعت اسلامی کو جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس وقت سرکاری طور پر تسلیم شدہ OFFICIALLY RECOGNIZED سترہ زبانیں ہیں۔ ویسے تو زبانیں اس سے بھی زیادہ ہو جائیں گی لیکن ان کو بولیاں کہیں گے۔ جو لٹریری زبانیں ہیں ان کی تعداد سترہ ہے۔ ان میں سے الحمدللہ ثم الحمدللہ بارہ زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ وہاں لوگوں نے بتایا کہ جب کسی مقامی زبان کے ترجمہ قرآن مجید کے تعارف کے لیے تقاریب منعقد ہوئیں تو ان میں ہندوؤں خاص طور پر ان کے نوجوانوں نے بھی شرکت کی۔ اس واقعہ کا حال بھی ایک معتبر ذریعہ سے مجھ تک پہنچا ہے۔ کہ ایسی ہی ایک تقریب میں کچھ ہندو نوجوانوں نے منتظمین میں سے ایک مسلمان کا گریبان پکڑ لیا اور کہا "ظالمو! تم نے ہزار برس تک اس کتاب کو کہاں چھپائے رکھا؟

آج تم اسے INTRODUCE کرا رہے ہو! ایک ہزار برس سے تم یہاں ہو۔ کتاب الٰہی تمہارے پاس تھی، تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ (یہ روایت بالمعنی و مفہوم ہے) ـــــ واقعہ یہ ہے کہ یہ ہمارا قومی و ملی جرم ہے۔ جس کی سزا ہم نے بھگتی ہے۔ جب ہندوستان کا ہندو پیچ پیچ پر مسلمان تہذیب کے آثار اور مسلمانوں کے تمدن کی باقیات الصالحات، بڑی عظیم مساجد، عالی شان عمارات دیکھتا ہے تو اس کے دل میں انتقامی آگ بھڑکتی ہے کہ ہماری سرزمین پر باہر سے آنے والوں کی تہذیب و تمدن کا سکہ چلتا رہا اور ہم سینکڑوں سال ان کے غلام رہے۔

حیدرآباد شہر کا یہ حال ہے کہ اگرچہ وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ لیکن تناسب کے لحاظ سے وہ شہر کی مؤثر اقلیت ہے۔ تیس لاکھ آبادی کے شہر میں مسلمان چودہ لاکھ ہیں۔ شہر میں ۴۵ فیصد ان کی آبادی بن جاتی ہے۔ لیکن حیدرآباد شہر کے دو حصے ہیں، ایک قدیم حیدرآباد اور ایک جدید حیدرآباد۔ قدیم شہر میں مسلمان تقریباً ۸۰ فیصد آباد ہیں۔ جدید میں تعداد بہت کم ہے ـــ وہاں آدمی گھومتا ہے تو ایک چیز کا مشاہدہ کرتا ہے جو اب ہمارے ہاں قریباً نامانوس ہو گئی ہے۔ ہمارے یہاں وی سی آر کی وجہ سے خلیجوں کا جو سیلاب آرہا ہے، اس کے باعث ادنیٰ درجہ میں سہی یہ فائدہ ہوا ہے کہ سینما کے بڑے بڑے نیم عریاں نوع کے بڑے بڑے اشتہارات اور قد آدم تصاویر کا جگہ جگہ لگے ہونا اب ہمارے یہاں زیادہ نمایاں نہیں رہا۔ یہ وبا حیدرآباد میں بہت شدید نظر آئی۔ اور ہندوستان میں جو فلمیں بن رہی ہیں ان کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ ان میں عریانی اور بے حیائی ہمارے یہاں سے بہت زیادہ ہے ـــ اس کا مظہر جا بجا بڑے بڑے پوسٹروں کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اس کو ذرا نظر انداز کر دیں تو حیدرآباد شہر پر مسلمان تہذیب کی چھاپ فیصلہ کن ہے۔ ہر جگہ شاندار مساجد دیکھنے میں آئیں گی کوئی چھوٹا سا مندر کہیں نظر آجائے تو آجائے ـــ حال ہی میں ایک پہاڑی پر برلا مندر کے نام سے ایک نیا مندر تعمیر ہوا ہے جو بلندی پر ہونے کی وجہ سے دور سے نظر آتا ہے۔ یہ علاحدہ بات ہے، کم از کم ہمیں حیدرآباد شہر میں کوئی بڑا مندر نظر نہیں آیا۔ اس کے برعکس مسجدیں ایک سے ایک شاندار اور فنِ تعمیر کا شاہکار ـــ مکہ مسجد جو شہر کے وسط میں ہے جیسے ہمارے ہاں شاہی مسجد ہے۔ البتہ مکہ مسجد اتنی بڑی نہیں ہے، اس سے چھوٹی ہے۔ لیکن شہر کے بالکل وسط میں واقع ہوئی ہے اور اس کی COMMANDING حیثیت ہے ـــ پھر ہر محلہ میں بڑی بڑی مساجد ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہر حیدرآباد دکن اسلامی تہذیب و تمدن کا کتنا عظیم گہوارہ رہا ہے ـــ ان چیزوں کو دیکھ کر ایک حسرت کا دل پر تاثر تو قائم ہوتا ہے کہ آخر یہ ہمارے ہاتھ سے کیوں چھن گئیں ـــ ہندوستان میں یہ پستا مسلمانوں پر کیوں آئی۔ لیکن اس کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے حکمرانوں نے عیش کیے ہیں، عمارتیں بنائیں ہیں، باغات لگوائے ہیں

اور مقبرے بنانے میں تو ـــــــ باقاعدہ دوڑ میں حصہ لیا ہے۔ لیکن بحیثیتِ مسلمان دعوت و تبلیغ، شہادت علی الناس کے جو دینی فرائض عائد ہوتے تھے۔ ان کو ادا نہیں کیا۔ قرآن حکیم کا توحید پر مبنی انقلابی فکر دوسروں تک کیا پہنچاتے خود مسلمان اس سے ناواقف رہے۔ اور اب تک اس سے ناواقف ہیں۔ الّا ماشاء اللہ۔

مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر اقبال کا ایک مصرع ہے کہ ؎ مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے تو ہندوستان کا مسلمان اسلام کے لیے اب زیادہ بیدار، فعال اور چوکس ہے اور اب وہاں مناسب نہج سے دعوت و تبلیغ کا کام ہو رہا ہے۔ مستقبل کے حالات کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس خیال کو خارج از بحث نہیں کہا جا سکتا کہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ہندوستان میں ہو اور اللہ تعالیٰ اپنا فضل اس طور سے فرما دے کہ۔

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ہم یہاں عیش و آرام اور اپنا معیارِ زندگی بلند سے بلند تر کرنے کی فکر میں پڑے رہیں۔ ہمارے سیاسی زعماء اپنے اختلافات سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوں۔ ہمارے علمائے کرام اپنے علم و فضل سے لوگوں کی اصلاح اور ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کرنے کے بجائے فقہی اور گروہی تعصبات کے چکر میں پڑے رہیں اور انتخابی سیاست ہی میں الجھے رہیں، سیاسی سرگرمیوں میں ہی منہمک رہ جائیں۔ اور ہندوستان کا مسلمان ان مشکلات اور نامساعد حالات کے باوجود جو کام کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور وہاں اسلام کا کام بہتر شکل میں ابھر کر ہمارے سامنے آجائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ط

دہلی، علی گڑھ اور خاص طور پر حیدر آباد دکن میں دینی لحاظ سے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ وہاں تاحال پردہ موجود ہے۔ ہمارے یہاں سے کوئی تقابل ہی نہیں۔ ہمارے یہاں سے تو پردہ قریباً ختم ہو چکا ہے۔ کراچی اور لاہور جیسے شہروں میں آپ کو برقعے شاذ ہی کہیں نظر آئیں گے۔ مسلمانوں کی تقریبات، شادی بیاہ کے معاملات میں، میرا یہ خیال ہے کہ کہیں سینکڑوں میں کوئی ایک خاتون برقعہ والی ہو۔ ورنہ برقع ہمارے یہاں معدوم کے درجے میں آگیا ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان میں نظر آتا ہے کہ وہاں اس لحاظ سے حالت بہت بہتر ہے۔ وہاں مسلمانوں کی معاشرت و تہذیب کا جو نقشہ تقسیم سے پہلے تھا وہ برقرار ہے۔ اکثریت کی یہی کیفیت ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے کہ وہاں کی مسلمان عورت بیدار نہیں ہے۔ یا جدید تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہے۔ حیدر آباد میں میرے درس اور تقریر میں بہت بڑی تعداد میں خواتین نے شرکت کی۔ وہاں میری روزانہ دو

سوا دو گھنٹے کی ایک تقریر عشاء کے بعد ہوتی تھی۔ تین دن تو مرکزی مقام کے لحاظ سے مکہ مسجد میں ہوتی ہیں چونکہ شہر کافی پھیلا ہوا ہے تو باقی دنوں میں مختلف جگہوں پر بڑی مساجد میں جلسے ہوئے ہیں آخری جلسہ جو ۱۹ اپریل کی شب کو مکہ مسجد میں ہوا ہے تو اس کی حاضری کے بارے میں وہاں کے منتظمین کا محتاط اندازہ یہ ہے کہ دس ہزار کے قریب اس میں صرف مرد شریک تھے ـــــ مکہ مسجد کا صحن دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ درمیان میں خاندان آصفیہ کے بادشاہوں کے مقبرے ہیں ـــ صحن کا دو تہائی حصّہ مسجد کے دالان سے متصل ہے اور ایک تہائی مقبروں کے بعد ہے جہاں خواتین کی نشست کا انتظام تھا۔ بائیں صحن کے ساتھ بڑی گیلری بھی ہے۔ منتظمین نے مجھے بتایا کہ اتنی ہی تعداد میں وہاں خواتین بھی شریک تھیں۔ اتنا بڑا جلسہ وہ بھی خالص دینی مقصد کے لیے لوگوں کے بقول مثالی تھا۔ میں نے قریباً دو گھنٹے اس میں "حقیقتِ ایمان" کے موضوع پر تقریر کی مجھے بتایا گیا کہ مجال ہے کہ دوران تقریر ایک آدمی بھی اس مجمع سے اٹھا ہو۔ پھر یہ کہ ہندو پریس نے میرے دورے اور تقریروں کے بارے میں تفصیلی رپورٹیں اخبارات میں شائع کی ہیں۔ اپنے تأثرات بیان کیے ہیں۔ میری دعوت کے بارے میں مضامین لکھے ہیں اور اسے سراہا ہے۔ وہاں ایک ہندو بڑا LEADING ADVOCATE ہے۔ مکہ مسجد میں وہ میری دوسری تقریر میں شریک ہوا اور ایک بڑا سا پھولوں کا ہار لے کر آیا۔ اور میرے گلے میں ڈالا۔ وہ ایک سپاسنامہ بھی پڑھنا چاہتا تھا۔ اس کی تو اجازت نہیں دی گئی ـــ تو وہاں ہندوؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو FACE VALUE پر بات سننے اور اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہیں ـــ حیدرآباد میں رابندر ناتھ ٹیگور کے نام سے ایک بہت بڑا آڈیٹوریم ہے۔ اس آڈیٹوریم میں پہلی مرتبہ میرے حیدرآباد جانے سے دینی اجتماع ہوا۔ ورنہ وہاں ناچ رنگ کے پروگرام ہوتے ہیں "ثقافتی طائفے" اس میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں سے وہاں ثقافتی طائفے ہی عموماً جایا کرتے ہیں ـــ تو اس میں پہلا دینی اجتماع میری اس VISIT پر ہوا ہے۔ جس میں کثیر تعداد میں ہندوؤں نے بھی شرکت کی تھی۔ بہرحال چند موٹی موٹی باتیں میں نے اپنے ہندوستان کے چند شہروں کے حالیہ دورے کے متعلق آپ کے گوش گزار کر دی ہیں۔

آپ دعا کریں وہاں کے مسلمان جن حالات میں بھی ہیں انہیں اللہ استقامت دے۔ دنیوی اعتبار سے ان کے لیے ترقی کے اتنے مواقع نہیں ہیں جو ہمارے لیے یہاں کھل گئے۔ دنیوی ترقی کے جو دروازے ہمارے لیے کھل گئے ہیں۔ دینی اعتبار سے ان کو ہم نے اپنے لیے مضر بنا لیا ہے۔ جس کے پاس دو پیسے آگئے، خوشحالی اور آسودگی آگئی اس گھر سے برقع رخصت ہوا۔ تہذیب و معاشرت کے انداز بدل گئے۔ شعائرِ دینی سے بُعد بڑھ گیا۔ الا ماشاء اللہ۔ معلوم ہوا کہ تنگی ترشی

کے ساتھ برقع بھی تھا، پردہ بھی تھا۔ دین سے کسی نہ کسی درجے میں شغف بھی تھا۔ ذرا سی بھی کشادگی حاصل ہوگئی ہے تو بہت سی چیزوں کو جو ہمارے دین اور تہذیب کے شعار میں شامل ہیں اور شامل رہی ہیں اٹھا کر پھینک دیا گیا ہے۔ بہرحال میرا ASSESSMENT یہ ہے کہ دینی اعتبار سے ہندوستان کا AVERAGE مسلمان پاکستان کے AVERAGE مسلمان سے بہت بہتر حالت میں ہے۔ اور وہاں اسلام کا مستقبل کسی درجہ میں بھی قطعاً خدوشی نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، میرے اندازے میں بظاہر احوال جو صورت نظر آئی ہے۔ ویسے تو سب کچھ اللہ ہی کو معلوم ہے واللہ اعلم۔ اس اعتبار سے شاید پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان میں اسلام کا مستقبل بہتر ہو۔

قادیانیوں کے متعلق آرڈیننس

دوسری بات مجھے اس تاریخی فیصلہ کے متعلق عرض کرنی ہے جس کا ایک آرڈیننس کے ذریعہ تعزیراتِ پاکستان میں اضافہ ہوگیا ہے جو آج صبح کے اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ یہ دراصل ایک نیچرل اور منطقی قدم ہے۔ ۱۹۷۳ء کے دستور میں قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے متعلق جو شق شامل کی گئی تھی، اس کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ یہ قدم فوراً ہی اٹھا لیا جاتا۔ لیکن سابقہ حکومت میں اس طرف کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی، موجودہ حکومت کو بھی یہ فیصلہ کرنے میں بہت وقت لگا ہے۔ سات سال گزر گئے تب یہ قدم اٹھایا گیا ہے لیکن بہرحال اسے دیر آید درست آید کہہ لیں یا 'BETTER THAN NEVER' بالکل نہ ہونے سے ہونا بہرکیف بہتر ہے کے مصداق یہ بہت مستحسن قدم ہے۔ اس لیے نہ کافی عرصے سے واقعتاً یہ محسوس ہو رہا تھا کہ قادیانیت کا رویہ پھر OFFENSIVE ہوگیا ہے۔ ان کا رویہ شدید جارحانہ ہوگیا ہے۔ اور بڑے شد و مد کے ساتھ ان کی اپنی تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں آتے وقت ایک صاحب نے ان کا ایک کتابچہ مجھے دیا ہے جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اخبارات کے ساتھ وہ بڑے پیمانے پر تقسیم ہوا ہے۔ ان کی جرأتیں اتنی بڑھتی چلی جا رہی تھیں، جن کی وجہ سے افواہوں کی شکل میں عوام میں یہ بدگمانی بھی پھیل گئی تھی کہ صدر ضیاء الحق صاحب قادیانی ہیں۔ بہت بڑے بڑے جرنیلوں کے متعلق کہا گیا کہ وہ قادیانی ہیں۔ اگرچہ میں نے کبھی اس قسم کی باتوں کو تسلیم نہیں کیا۔ ایسی باتیں اڑا دی جاتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ تاثر قادیانیوں ہی کی طرف سے دیا گیا ہو۔ ان قادیانیوں کی طرف سے اپنی سرگرمیوں کے اعتبار سے جارحیت کی ایک کیفیت کافی عرصہ قبل سے پیدا ہوگئی تھی اس لئے بھی یہ شک و شبہات

تھے جو ذہنوں میں سر اٹھا رہے تھے۔ الحمد اللہ جو فیصلہ ہوا ہے، بہت عمدہ ہوا ہے، مستحسن ہوا ہے۔ اس نے تمام بدگمانیوں کو ختم کر دیا ہے اور توقع یہی ہے کہ اب اس پہ پوری طرح عمل درآمد بھی ہوگا۔ بہرحال اس صحیح اقدام اور فیصلہ پر میں صدر ضیاء الحق صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں۔

میں یہ بات عرض کروں گا کہ یہ سارا معاملہ ہمارے لیے خوشی کا موجب نہیں ہے بہرحال یہ قادیانی ہمارے ہی جسد کا ایک ٹکڑا تھے۔ لیکن ان کو بہت ہی مجبوری اور خود ان کی اپنی ضلالت، سرکشی و ہٹیا کی کی وجہ سے کاٹا گیا ہے۔ امت مسلمہ کی پوری تاریخ یہ گواہی دیتی ہے کہ "تکفیر" پر کبھی خوشی حاصل نہیں ہوئی کہ کسی شخص یا گروہ کا تعلق امت سے منقطع کر دیا جائے۔ بلکہ ہمارے یہاں تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات بہت معروف ہے۔ کہ اگر کسی شخص میں تین پہلو کفر کے نظر آئیں لیکن ایک پہلو اسلام کا نظر آئے۔ تب بھی اسلام والے پہلو کو سامنے رکھیے اور تکفیر کی طرف مت جائیے۔ ویسے خود قادیانیوں نے اور ان کے زیر اثر بعض لوگوں نے جن میں ہمارے ایک چیف جسٹس صاحب بھی تھے۔ جواب فوت ہو چکے ہیں یہ بہانہ بنایا کہ مسلمان تو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہی رہتے ہیں۔ بریلویوں نے دیوبندی اور اہل حدیث گروہ کو کافر کہا اور انہوں نے بریلویوں کو کافر کہا۔ حنفی اہل حدیث کو کافر کہتے ہیں۔ اور اہل حدیث حنفیوں کو ــــ یہ شاذ باتیں ہوتی ہیں کہ کوئی شخص جوش خطابت میں آکر یا تعصب سے مغلوب ہو کر ایسی بات کہہ دے تو ایسا نہیں ہوا ہے کہ امت نے بحیثیت امت ان باتوں کو کبھی SERIOUSLY لیا ہو ــــ مناظرانہ انداز اور مخالفانہ جوش میں علم قسم کے واعظین ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں اور عوام کا ایک گروہ بھی اس سے کسی درجہ میں متأثر ہو جاتا ہے ــــ عام طور پر سلسلہ چلتا رہتا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ امت نے باقاعدہ قانونی اور عدالتی انداز میں کسی فرد واحد کی نہیں بلکہ ایک پورے گروہ کی تکفیر کر کے اس کا تعلق امت سے منقطع کر دیا ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسے دوسرے گروہ موجود ہیں کہ اگر ان کے اعتقادات کا جائزہ لیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ ان کو کسی طور پر بھی مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن چونکہ تکفیر سے مسلمانوں کو دلچسپی نہیں اس لیے عموماً ایسے گروہوں کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے، جنہوں نے جارحیت اختیار نہیں کی اور اپنے گروہ کے معتقدات کی تبلیغ سے گریز کیا ہے۔ ورنہ میں آپ سے برملا کہتا ہوں کہ اگر اسماعیلی فرقے کے اعتقادات کا جائزہ لیا جائے تو کسی طرح بھی یہ کہنا ممکن نہیں ہوگا کہ انھیں مسلمان شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ علاحدہ سا ایک طبقہ ہیں ــــ جس نے ایک COMMUNITY کی صورت اختیار کر لی ہے۔ وہ اپنے معتقدات کی تبلیغ نہیں کرتے۔ دوسروں پر تنقید نہیں کرتے۔ ان میں جارحیت نہیں ہے۔ وہ سوشل کاموں میں مگن ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں نے ان کی طرف کبھی توجہ نہیں دی ــــ قادیانیوں کا معاملہ بالکل برعکس تھا۔

پہلی اور اہم ترین بات تو یہ ہے کہ پہلے انہوں نے اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ یہ پہلے انہوں نے مسلمانوں کی تکفیر کی ہے۔ انہوں نے قرار دیا ہے کہ جو غلام احمد کو نبی نہیں مانتا، وہ کافر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ بالکل منطقی نتیجہ ہے دعویٰ نبوت کا۔ اگر کوئی کسی حقیقی نبوت کا انکار کرے تو وہ لازماً کافر۔ اسی طرح اگر کوئی جعلی اور جھوٹی نبوت ہے تو جو اس کا اقرار کرے تو وہ کافر۔ نبوت تو اس دنیا میں اللہ کی عدالت ہوتی ہے۔ یہ شئے قاطع ہے یہ علاحدہ کر دیتی ہے۔ آپ سوچیئے کہ یہودیوں اور ہمارے مابین فرق کیا ہے۔ اللہ کے دو نبی ایسے ہیں، جن کو وہ نہیں مانتے۔ باقی تو سب کو مانتے ہیں۔ انہوں نے انکار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ دو نبیوں کے انکار کی وجہ سے من دیگرم تو دیگری۔ ہم اور ہو گئے وہ اور ہو گئے۔ اسی طریقہ سے عیسائیوں کا معاملہ ہے وہ حضور کو نہیں مانتے حضرت مسیح کو مانتے ہیں۔ وہ غلو کرتے ہیں حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، یہ علاحدہ بات ہے بہرحال انکار تو نہیں کرتے۔ انکار صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے ہیں۔ لہذا یقیناً ہمارے نزدیک وہ کافر اور ہم حضرت عیسیٰ کو ماننے کے باوجود ان کے نزدیک کافر۔ پس معلوم ہوا کہ یقیناً نبوت کا دعویٰ تقسیم کر دینے والا اور علاحدہ کر دینے والا دعویٰ ہے۔ لہذا اپنے سوا تمام دنیا کے مسلمانوں کی تکفیر کے PROCESS کا آغاز انہوں نے کیا۔ بلکہ ہم نے بہت عرصہ صبر کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو جو غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتے ایسی ایسی گالیاں دی ہیں اور مسلمان عورتوں کے متعلق ایسی رکیک اور بیہودہ زبان استعمال کی ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ ان کو سنا کر اپنی زبان کو ناپاک کروں۔

آپ کو معلوم ہے کہ قائد اعظم نے سر ظفر اللہ خاں قادیانی کو کس طرح اٹھایا اور ابھارا اور کتنے بڑے مقام تک پہنچایا۔ ذاتی طور پر وہ کتنے بڑے محسن تھے ظفر اللہ خاں کے۔ لیکن اس شخص نے جو لم کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ یا تو وہ اس وقت وہاں موجود نہ ہوتا کہیں باہر چلا جاتا لیکن تو لد اعظم کے جنازے کی نماز تک موجود رہا لیکن نماز میں شرکت نہیں کی۔ اخبار والوں کے استفسار اس نے برملا یہ کہا کہ "آپ چاہیں تو ایک کافر حکومت کا مجھے مسلمان وزیر سمجھ لیں اور چاہیں تو ک مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھ لیں"۔ معلوم ہوا کہ یہ کام شروع انہوں نے کیا۔ مسلمان تو جب ک آمد بجنگ آمد والا معاملہ ہوا ہے اور محسوس کیا ہے کہ ایک تو انہوں نے نبوت کی بنیاد پر اپنی دہ ایک امت اور ملت بنالی اور وہ بہت منظم اور مضبوط ہو گئی۔ اس لیے کہ نبوت کی بنیاد پر گروہ اٹھے گا، اس سے زیادہ مضبوط تنظیم کس کی ہو گی۔ کوئی جماعت اتنی مضبوط نہیں ہو سکتی۔ نی نبی کی جماعت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ باقی جتنی جماعتیں ہوں گی، ان کے سربراہوں سے ان کے ندوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ کیا نبی سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے؟ نبی سے اختلاف

کرتے ہیں تو ایمان کے لالے پڑتے ہیں۔ لہٰذا مرزا غلام احمد نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ایک تو اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اپنی تنظیم اس نے بڑی مضبوط کر لی۔ دوسری طرف انگریزی حکومت کی اس نے چاپلوسی، کاسہ گدائی اور اپنی اور اپنی جماعت کی وفاداریوں کی یقین دہانی کرا کے اس کی سرپرستی حاصل کر لی۔ انگریز کا اصول ہی یہ تھا کہ DIVIDE AND RULE اسے مسلمانوں کے اندر افتراق پیدا کرنے اور ان کی اجتماعی قوت کو منتشر کرنے کے لیے ایک مہرہ مل گیا جسے انہوں نے اپنی بساطِ سیاست پر خوب استعمال کیا اور اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ پھر یہ کہ ان قادیانیوں کی جسارت اتنی بڑھی کہ انہوں نے دینی اصطلاحات کے ساتھ دھڑلے سے وہ بھی اصطلاحات استعمال کیں جو نبی اور ان کے اہل بیت اور حواریین کے ساتھ مختص ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کے نام سے موسوم کیا اذان کا وہی طریقہ رکھا جو مسلمانوں میں رائج ہے۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کا راستہ نکالا۔ وہ لوگ جن کو ان چیزوں کی خبر نہیں ہے مدفع اور نزولِ مسیح کے متعلق انہیں صحیح دینی معلومات نہیں ہیں ماتمام و اکمالِ نبوت کے مسائل سے ان کو صحیح واقفیت نہیں ہے۔ قادیانیوں نے یہ چند مسائل پکڑے ہوئے ہیں اور مسلمانوں میں لغوذکر رہے تھے۔ اور اندر ہی اندر وہ ہمارے جسدِ ملی کو دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے۔ اس لیے مجبوراً مسلمان اٹھ کھڑا ہوا اور ۵۳ء میں ایک عظیم تحریک ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے چلی۔ یوں کہنے کو تو ہمارا وہ دور اچھا دور تھا۔ لیکن اس دور میں جو کچھ ہوا ہے وہ آپ کو یاد ہوگا۔ وہ ہماری تاریخ کے بدنما داغوں میں سے ایک داغ ہے۔ یہی ہمارا شہر لاہور اس دور میں بدترین مارشل لاء کی گرفت میں تھا اور یہاں جو خون ریزی ہوئی تھی اور ہمارے ایک جرنیل صاحب نے مسجد وزیر خاں کو اس طرح فتح کیا تھا۔ جیسے ایک بیرونی حملہ آور کسی شہر کو فتح کرتا ہے یہ سانحہ ہم میں سے اکثر کو یاد ہوگا۔ ہماری تاریخ کا یہ ایک تاریک افسوس ناک باب ہے بہرحال اس وقت کی قربانی رائیگاں نہیں گئی اگرچہ اس کے بعد بیس برس بیت گئے۔

لیکن جب وہ تحریک دوبارہ اٹھی تو بحمداللہ ۷۴ء میں جو تحریک اٹھی تھی، وہ چونکہ خالص غیر سیاسی تھی۔ اس کے سربراہ تھے مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ وہ بالکل سیاسی شخصیت نہیں تھے بلکہ ایک جید اور مشہور و معروف عالمِ دین تھے۔ یہی چیز اس تحریک کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئی۔ پھر یہ کام اس شخص کے دورِ اقتدار میں ہوا، جس کا اس وقت نام لینا بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ بھٹو میں جو کچھ خرابیاں تھیں، وہ تھیں لیکن اس نے جو چند اچھے کام کیے تھے اس کا CREDIT بہرحال اسے دیا جانا چاہیئے۔ ایک کام اس نے یہ کیا کہ اس ملک کو ایک متفقہ دستور دیا۔ اس معاملہ میں اس نے اپنے اندر کافی لچک پیدا کی۔ اس نے

دوسری سیاسی پارٹیوں کے نقطۂ نظر کو دستور میں ACCOMMODATE کیا۔ پھر یہ کہ دستور
پر سب جماعتوں کے دستخط لے لیے کہ یہ ہمیں منظور ہے یہ اس کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اگرچہ بعد میں
اس نے خود یہ CREDIT ضائع کر دیا کہ اس نے اس دستور کو ترمیم در ترمیم در ترمیم
کے ذریعہ سے موم کی ناک بنا دیا۔ دستور کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی
دستاویز ہوتی ہے کہ جس میں آسانی سے تبدیلی نہیں کی جا سکتی تاکہ اس کا تسلسل قومی زندگی میں
برقرار رہے۔ لیکن بھٹو نے ملک کو ایک متفقہ دستور دینے کے CREDIT کو خود ضائع کر دیا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو دوسرا کام ہوا تھا
وہ اتنے صحیح نہج پر ہوا تھا کہ دنیا کا کوئی شخص اس پر انگلی نہیں رکھ سکا۔ حالانکہ برطانیہ ہو،
امریکہ ہو اور دوسری بڑی طاقتیں ہوں وہ سب ان کی پشت پناہ ہیں۔ تمام ان کے ساتھ ہمدردی
رکھتی ہیں۔ دنیا کا عام طور پر SECULAR ذہن ہے۔ مذہب کی بنیاد پر یہ ذہن تفریق قبول
نہیں کرتا اور یہاں چونکہ یہ تفریق مذہب کی بنیاد پر ہوئی تھی لہٰذا عہدِ جدید کے ذہن کے خلاف
ہم نے یہ قدم اٹھایا تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ قادیانیوں کی برطانیہ کے ساتھ وفاداری
کا جو معاملہ رہا ہے اس کا کوئی بدلہ وہ چکانا چاہے تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کی خاص ہمدردیاں ان
کے ساتھ تھیں لیکن یہ کہ جس PROCESS کے تحت یہ کام ہوا تھا اس پر کسی کو اعتراض کی
گنجائش نہیں تھی۔ اس وقت ملک کا جو منتخب با اختیار ادارہ تھا۔ یعنی نیشنل اسمبلی اس نے اس
فیصلہ کیا۔ اسمبلی نے پہلے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس نے قادیانیوں کو بھرپور موقع دیا کہ آؤ اور
اپنی صفائی پیش کرو۔ تمہارے لٹریچر سے جو اقتباس پیش کیے جا رہے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ
مرزا غلام احمد قادیانی نے بے شمار دعوے کیے تھے اور اس کا آخری دعویٰ نبوت کا دعویٰ تھا۔ اگر یہ
بات غلط ہے تو اپنی صفائی پیش کرو۔ انہوں نے کمیٹی کے سامنے جا کر اپنی صفائی بھی پیش کی ہے۔
چنانچہ بالکل عدالتی عمل PROCESS کے مطابق اور اس کے نہج پر تمام FINDINGS
آئیں۔ پھر فیصلہ نہ کسی فردِ واحد کا ہوا اور نہ ہی اس کمیٹی نے کیا بلکہ اس نے اپنی FINDINGS
...سے کے با اختیار منتخب ادارے میں پیش کیں اور یہ اس کا فیصلہ تھا۔

یہ ایک بہت اچھا کام تھا جو اس وقت ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد اس فیصلے کے مقتضیات
پر عمل درآمد کا مرحلہ تھا۔ اس پر کچھ بھی کام نہیں ہوا۔ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے۔ دھڑلے
سے کہتے رہے۔ ان کی عبادت گاہ مسجد کے نام سے موسوم ہے۔ مسلمان دھوکہ کھا جائے گا۔
کسی شخص کو پتہ نہ ہو وہ وہاں نماز ادا کرنے داخل ہو جائے گا۔ اور وہاں اس کو کوئی ایسی DOSE
دی جائے اور ایسی تبلیغ اس پر کر دی جائے یا اسے دنیوی ترقی کا سبز باغ دکھایا جائے کہ وہ بہک

جائے مجھے یاد آرہا ہے کہ اس بات پر سپریم کورٹ میں مقدمہ بھی چلتا رہا ہے کہ قادیانیوں کو روکا جائے کہ وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہ کہیں ـــــ اب تو اس سے بھی آگے کی بات طے کر دی گئی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہ کہیں بلکہ اسے مسجد کی شکل دینے کے بھی وہ مجاز نہیں ہیں، وہ کسی اور طرز کی عمارت بنانا چاہیں تو بنائیں ـــــ لاہور میں گڑھی شاہو میں ان کی ایک مسجد ہے۔ اس کی وضع اور ساخت بالکل مسجد کے مطابق ہے لیکن وہ اسے مسجد نہیں کہتے۔ اس کا نام انہوں نے "دار الذکر" رکھا ہوا ہے۔ ٹھیک ہے وہ جو چاہیں نام اختیار کر لیں لیکن یہ کہ وہ اس کی شکل مسجد کی نہ رکھیں اور اسلامی اصطلاحات قطعی استعمال نہ کریں۔ اس کے بعد بہرحال ایک MINORITY کی حیثیت سے ان کو تمام حقوق حاصل ہیں اور حاصل رہیں گے۔ جیسے ہمارے یہاں عیسائی اور دوسری مذہبی اقلیتوں کو حقوق دیے گئے ہیں۔ لیکن وہ اسلام کی چادر اور اس کے لبادے میں خود کو چھپا کر مسلم معاشرے میں جو زہر گھول رہے تھے۔ اور انہوں نے جارحیت کا جو انداز اختیار کیا ہوا تھا اس کا راستہ صدر صاحب کے جاری کردہ آرڈیننس کے ذریعہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ رک جائے گا۔ میں اس اقدام پر صدر مملکت جنرل ضیاء الحق صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں اور ان علماء کرام کی خدمت میں بھی ہدیۂ تبریک و تحسین پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس سلسلہ میں محنتیں کی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل سے تحفظ ختم نبوت کی مجلس عمل چونکہ کافی فعال و متحرک ہو گئی تھی اور ملک کے بہت سے ممتاز شہروں میں نہایت کامیاب ختم نبوت کانفرنسیں منعقد ہو چکی تھیں اور اسلام آباد، راولپنڈی میں وہ کانفرنس آج منعقد ہونے والی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو حرکت ہوئی ہے یہ اسی کی برکت ہے جو ظاہر ہوئی ہے اس کا CREDIT بھی حکومت کو دینا چاہیئے۔ کہ صورت حال بگڑنے دینے کے بجائے اس نے اس کا بروقت اندازہ کر لیا اور پہلے ہی صحیح قدم اٹھا کر ان مطالبات کو جو علماء کی طرف سے پیش کیے جا رہے تھے۔ بڑی حد تک تسلیم کر لیا ـــ میں پھر ایک بار ان علماء کرام اور تنظیموں کو مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے اس سلسلہ میں محنتیں کیں۔ اور اس میں حصہ لیا ہے ان کے ہم احسان مند ہیں ان سب کا شکریہ ہم پر واجب ہے اور حکومت بالخصوص صدر مملکت جنرل ضیاء الحق صاحب کا بھی ہم شکریہ ادا کرتے ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ اس آرڈیننس کے تمام مقتضیات پر صحیح طور پر عمل درآمد فوراً شروع ہو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ بیوروکریسی اس کے EARNESTLY نفاذ میں ڈھیل دے اسے IGNORE کرے اور ہو سکتا ہے کہ یہ آرڈیننس صرف تعزیرات میں درج ہو کر رہ جائے اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو کیا عجب ہے کہ مواد پھر اندر ہی اندر پکے اور پھر دھماکے کی صورت اختیار کر لے۔ اس قسم کا کوئی دھماکہ بھی اس وقت پاکستان کے لیے انتہا

مہلک ہوگا۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ کون کس وقت اس دھماکے سے فائدہ اٹھالے۔ لہٰذا ہر نوع کی دھماکہ خیز SITUATION سے بچ کر رہنے ہی میں پاکستان کی عافیت ہے۔

معراج النبی

تیسری بات مجھے شبِ معراج کے متعلق عرض کرنی ہے جو دو دن کے بعد آنے والی ہے۔ ۱۴۰۵ سال ہجری قبل یہ محیر العقول واقعہ پیش آیا ہے۔ یعنی ہجرت سے قریباً ایک سال پہلے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور اس واقعہ کے متعلق کم از کم اٹھائیس صحابہؓ سے احادیث مروی و منقول ہیں۔ جن میں چند بڑی طویل احادیث بھی ہیں۔ یہ دور چونکہ عقلیت پرستی کا دور ہے۔ اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کا جو Scientific Rationalism تھا اس کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ نیوٹن فزکس کا دور اور تھا اور یہ دور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں وہ آئن اسٹائن کی فزکس کا دور ہے۔ اب نظریہ اضافت کی بات ہو رہی ہے لیکن ہمارے یہاں ابھی تک کچھ لوگ ایسے ہیں جو پچھلی دو صدیوں کی جو ذہنی فضا تھی اسی میں تا حال رہ رہے ہیں اور اسی نقطۂ نظر سے واقعۂ معراج کی ایسی ایسی توجیہہ کرتے ہیں کہ اس محیر العقول واقعہ کی اہمیت بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ واقعۂ معراج کے ایک واقعہ ہونے کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کا انکار کفر کے درجے تک جا پہنچے گا۔ اس لیے کہ یہ واقعہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے جن میں متفق علیہ روایت بھی شامل ہے جس سے اوپر کوئی درجہ سند کے اعتبار سے نہیں ہے۔ جس حدیث کی صحت پر امام بخاریؒ اور امام مسلم دونوں کا اتفاق ہو جائے۔ یوں سمجھیئے کہ اب وہ صحت کے لحاظ سے قریباً قرآن مجید کے ہم پلہ ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید بھی ہم تک بحیثیت روایت و نقل ہی پہنچا ہے۔ حضورؐ کی زبان مبارک سے صحابہؓ نے سنا، اس کو یاد کیا، محفوظ رکھا۔ کتابت بھی ہوئی ہے۔ لیکن قرآن کی جو حفاظت ہوئی ہے وہ سن کر ہوئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ ادا ہوا ہے جیسے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے خود تو لکھا نہیں۔ لہٰذا قرآن بھی اصلاً منقول ہے۔ احادیث میں اگرچہ درجے ہیں ضعیف بھی ہیں، صحیح بھی ہیں۔ لیکن وہ احادیث جو ان دو آئمہ حدیث جنہوں نے احادیث کو جانچنے اور پرکھنے یعنی جرح و تعدیل کے جو سخت ترین معیارات قائم کیے تھے، حدیث کی سند کے اعتبار کے جس پر متفق ہو جائیں تو وہ قریباً قرآن مجید کے ہم پلہ روایت شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا واقعۂ معراج کے متعلق ایک طویل متفق علیہ روایت بھی موجود ہے۔

یہ واقعہ تھا کیا؟ اسے اس محدود وقت میں جو ہمارے پاس ہے۔ اجمالاً سمجھیئے۔ قرآن مجید جس بالائی نظام کو ملکوت السموات والارض کہتا ہے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے جیسے ملائکہ ہیں۔ جو نہ معلوم کہاں کہاں

موجود ہیں۔ ہر شخص کے ساتھ بھی دو دو فرشتے موجود ہیں جو اس کے تمام اعمال اور ارادوں کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ نامۂ اعمال میں نیکیوں اور بدیوں کا علاحدہ علاحدہ اندراج ہو رہا ہے۔ پھر ایک حدیث شریف میں آنحضورؐ نے خبر دی ہے جو میں نے بار بار سنائی ہے کہ: عن ابی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم قال ما اجتمع قوم فی بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملئكة و ذكرهم الله فيمن عنده" حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب بھی کبھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں لوگ اس کام کے لیے جمع ہوں کہ اللہ کی کتاب پڑھیں اور آپس میں سمجھیں اور سمجھائیں تو ان پر سکینت کا نزول ہوتا ہے، رحمتِ خداوندی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ملائکہ ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں"۔ تو ملائکہ موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کی جو عالمی و تکوینی سلطنت و حکومت ہے اس کے یہ ملائکہ کارندے ہیں۔ یہ اس کی سول سروس ہے۔ یہ ہر دم اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ میں لگے ہوئے ہیں لیکن ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ یہ غیب کا عالم ہے۔ اسی طریقہ سے جنت و دوزخ یہ غیب کے امور ہیں۔ اسی طرح سے جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے! قیامت کس طور پر ہوگی! یہ مستقبل کے معاملات ہیں یہ بھی غیب سے متعلق ہیں۔ پھر یہ کہ ایمان بالغیب دین اور ایمان کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات غیب میں ہے یا ہم اس سے غیب میں ہیں۔ بہرحال ہمارے اور اللہ کی ذات کے درمیان غیب کا ایک پردہ حائل ہے یہ کہنے سے کہ اللہ غیب میں ہے یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ ہم اللہ سے غیب میں ہیں۔ ہم محجوب ہیں۔ اللہ تو عیاں ہے، وہ ہر جگہ موجود ہے هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ اسی لیے شیخ علی ہجویری نے اپنی کتاب کا نام رکھا "کشف المحجوب" ہم حجاب میں ہیں۔ لہٰذا اس حجاب کا پردہ چاک کر کے حقائق کو روشن کر دینا، یہ اس کتاب کا موضوع ہے لہٰذا اس کا نام رکھا "کشف المحجوب"۔ اب ان تمام غیبی امور کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک یقین نہ ہو تو ایمان کی جڑ اور بنیاد ہی قائم نہیں ہوتی۔ اس یقین کو پیدا کرنے کے لیے اللہ نے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا۔ اب اگر ان انبیاء و رسل میں وہ یقین کامل ہوگا تب ہی وہ دوسروں تک پھیلے گا اور متعدی ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نبیوں اور رسولوں کو گاہے گاہے چند امور غیبی کے مشاہدات کراتے رہے ہیں۔ جیسے فرمایا: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ط "اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کی جو خفیہ حکومت ہے۔ اس ملکوت کا مشاہدہ کراتے رہے، سیر کراتے رہے تاکہ وہ اصحاب یقین میں سے ہو جائے"۔ اس لیے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ! ایک ہے خبر اور ایک ہے مشاہدہ، عربی میں اس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ۔ خبر اور معائنہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

پس یہ مشاہدات ہیں جو انبیاء و رسل کو کرائے گئے۔ تورات میں آپ دیکھیں گے کہ بہت سے انبیاء کے مکاشفات، ان کے مشاہدات، ان کے رؤیا، ان کے خوابوں کا بڑی تفصیل سے ذکر ہے۔ جس طرح محمدؐ کی ذاتِ مبارکہ میں نبوت و رسالت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی۔ اسی طرح مشاہدات و مکاشفات کا معاملہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت گرامی میں اپنی انتہائی چوٹی تک پہنچ گیا۔ اور اسی کا نام ہے معراج یا اسراء۔

اس واقعہ کی تفاصیل میں احادیث میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ اس فرق کو کچھ لوگ ان احادیث کی نفی کی بنیاد بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ فرق ہی یہ ثابت کر رہا ہے کہ واقعہ حقیقی ہے۔ غور کیجئے کہ ایک واقعہ یہاں ظہور پذیر ہو اور دس آدمی اس کو دیکھنے والے ہوں۔ ایک گھنٹے کے بعد آپ ان میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ پوچھئے کہ یہ واقعہ کیا تھا؟ وہ سب کے سب سچے ہوں گے، دیانت دار ہوں گے لیکن ان کے بیان میں فطری طور پر فرق واقع ہو جائے گا۔ کوئی کسی بات کو پہلے بیان کرے گا۔ اور دوسری باتوں کو بعد میں۔ کوئی اس کے بالکل برعکس آخری باتوں کو پہلے اور پہلی بات کو آخر میں بیان کرے گا۔ اسی طرح سنی ہوئی بات کے بیان میں بھی تقدیم و تاخیر فطری ہے پھر ہر شخص کا اپنا ذاتی ذوق بھی ہے۔ کسی کے نزدیک کوئی چیز اہم تر ہے۔ کسی کے نزدیک دوسری چیز اہم تر ہے۔ کسی کا مشاہدہ کسی ایک پہلو سے زیادہ ہے اور کسی کا دوسرے پہلو سے زیادہ۔ تو بیان میں یہ فرق و تفاوت در حقیقت خود اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ واقعہ ہوا ہے۔ اسے بہت سوں نے دیکھا ہے بہت سوں نے معتبر لوگوں سے اسے سنا ہے۔ لیکن جب وہ آگے بیان کریں گے تو اس میں فرق و تفاوت ہو جائے گا۔ یہی صورتِ حال احادیث کے فرق کی ہے۔ البتہ جو روایات باہم متعارض و متضاد ہیں، ان کی ہمارے علماء کرام یہ توجیہہ و تاویل کرتے ہیں کہ واقعہ معراج ایک سے زیادہ مرتبہ ہوا ہے۔ یہ بات قطعی طور پر سمجھ میں آنے والی ہے۔ بہرحال یہ بات سمجھ لیجئے کہ واقعہ معراج امت میں تقریباً مجمع علیہ ہے۔

ان تمام احادیث اور متفق علیہ روایت سے اس واقعہ کی تصویر یہ بنتی ہے کہ ہجرت سے قریباً ایک سال قبل رجب کی ستائیسویں شب کو آنحضور حطیم میں استراحت فرما رہے تھے۔ حطیم کعبہ شریف کا ہی ایک حصہ ہے جو چہار دیواری کے باہر رہ گیا ہے۔ سیلاب کی وجہ سے کعبہ اجرائے وحی سے قبل گر گیا تھا۔ تو جب قریش نے دوبارہ تعمیر کی تو ان کے پاس سامانِ تعمیر کچھ کم تھا تو انہوں نے اس کا ایک حصہ باہر چھوڑ دیا، وہی حطیم کہلاتا ہے۔ اب اس کے گرد ایک گول سا دائرہ بنا ہوا ہے۔ جو لوگ حج یا عمرے کو گئے ہیں ان کو معلوم ہے کہ لوگ وہاں جا کر بڑے ذوق شوق سے نوافل ادا کرتے ہیں، ان کی بڑی فضیلت ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ "میں وہاں آرام سے لیٹا ہوا تھا کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے بیدار کیا"، میں یہ واقعہ حضرت

مالک ابن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ کو سنا رہا ہوں جو متفق علیہ روایت ہے۔
"پھر اس نے میرا سینہ چاک کیا"، حضورؐ نے حلق کے گڑھے سے ناف تک کے حصہ کی طرف اشارہ فرمایا۔
"پھر میرا دل نکالا اور ایک سنہری طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ پھر اس سے میرا دل دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیے گئے"۔ اس قسم کی باتیں عقلیت گزیدہ یا عقلیت پرست لوگوں کو عجیب معلوم ہوئی ہیں لہٰذا وہ انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ سرجری اب جس حد تک پہنچ گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ چیزیں کسی درجہ میں ناقابل یقین نہیں ہیں OPEN HEART سرجری آج ہو رہی ہے انسانوں کے ہاتھوں آلات کی مدد سے ہو رہی ہے تو اس میں استبعاد کی کیا بات ہے کہ اللہ جو علیٰ کل شیٔ قدیر ہے اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھوں یہ کارنامہ سرانجام دلایا۔ ویسے نبی اکرمؐ کا سینۂ مبارک ایمان سے منوّر اور حکمت سے لبریز ہی تھا۔ لیکن درجات کا معاملہ ہے۔ اسے پھر دھویا گیا ہے اور مزید انوار و ایمان و حکمت اس میں بھر کر پھر اسے سی دیا گیا ہے۔ حضورؐ آگے ارشاد فرماتے ہیں "پھر میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، وہ سفید تھا اس کا نام براق ہے۔ اس کا ہر قدم حد نگاہ تک پڑتا تھا۔ پھر مجھے اس پر سوار کرایا گیا۔ اور جبرئیلؑ میرے ساتھ چلے یہاں تک کہ وہ مجھے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ گئے"۔ اب اس روایت میں زمینی سفر کے حصہ کا بیان نہیں ہے۔ اسے سورۂ بنی اسرائیل کی جس کا دوسرا نام اسراء ہے پہلی آیت اور احادیث کی دوسری روایات کو ملا کر اس خلا کو پُر کیا جاتا ہے۔ پہلے آپ مسجد اقصیٰ پہنچے۔ اسی کو اصل میں کہتے ہیں اسراء۔ اسراء کے معنی ہیں رات کے وقت کسی کو کہیں لے جانا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ سفر گھر سے نہیں بلکہ مسجد حرام سے شروع ہوا ہے۔ اس آیت کے بعد مضمون ہے: بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ۔ "اس مسجد اقصیٰ کے (جو یروشلم قدس میں ہے) ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا"۔ وہ علاقہ ظاہری اعتبار سے بھی بابرکت ہے کہ بڑا ہی سرسبز شاداب و زرخیز علاقہ ہے۔ رہی باطنی برکات تو ان کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں نبی ہیں جو وہاں دفن ہیں۔ اندازہ مشکل ہے کہ وہ علاقہ کتنے انبیاء علیہم سلام کا مدفن ہے اور کتنوں کا وہ مسکن رہا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں کتنے نبیوں نے سجدے کیے ہیں۔ کتنے نبیوں نے وہاں اعتکاف اور مراقبے کیے ہیں، اور ان کے وہاں جو اثرات ہیں، پوری فضا میں اس کی جو برکات ہیں اس کی قرآن مجید گواہی دے رہا ہے: اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ۔ وہاں نبی اکرمؐ کو کس مقصد کے لیے لے جایا گیا؟ اس کا ذکر اسی آیت میں آگے فرمایا: لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔

"تاکہ ہم اپنے بندے (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی آیات (نشانیوں) میں سے کچھ نشانیاں دکھائیں" اب وہاں کون سی آیات (نشانیاں) دکھائی گئیں۔ اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس لیے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بیان اور تعبیر کے لیے ہماری زبان میں الفاظ نہیں ہیں۔ ان کو بیان کیا جائے تو مفہوم صحیح طور پر CONVAY نہیں ہوگا اور بہت سے مغالطے پیدا ہو جائیں گے بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا بیان نہ کرنا بیان کرنے سے بہتر قرار پاتا ہے۔ اس لیے سکوت مناسب ہوتا ہے چونکہ اس کو بیان کرنا کماحقہٗ ممکن نہیں ہوتا۔ اس آیت کے آخر میں فرمایا، اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ "سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا تو صرف وہی ہے"، یہ حصر کا اسلوب ہے یعنی یہ اللہ کے علم کامل کی شرح ہے۔ باقی وہ جس کو چاہے سناتا اور دکھاتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کو ملکوت السمٰوٰت والارض کا مشاہدہ کرانے کی غایت میں بیان کر چکا۔ کہ انہیں مجسم یقین بنانا ہوتا ہے تاکہ ان کے وجود سے یقین پھوٹے اور ماحول میں سرایت کرے۔ ان کی مبارک صحبت سے لوگوں کے اذہان وقلوب ایمان ویقین سے منور ہوں۔ انبیاء کرام کو پیکر یقین اور یقین مجسم بنانا ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ انہیں دکھاتا ہے جو دکھاتا ہے، سناتا ہے جو سناتا ہے۔ لیکن سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا وہ اکیلا اللہ ہی ہے۔

اب پھر آئیے سفر معراج کی طرف۔ یہ پہلا سفر بیت الحرام سے مسجد اقصا تک زمینی سفر ہے۔ جس کا ذکر سورۂ اسراء کی پہلی آیت میں بغیر کسی ابہام، ابہام کے بیان ہوا۔ اس کے بعد آسمانی سفر شروع ہوا۔ مسجد اقصا کے حالات کی تفصیل ہمیں احادیث میں ملتی ہے۔ وہ یہ کہ وہاں تمام انبیاء موجود تھے اور ان کی امامت فرمائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ـــــ اس کی جو غایت ہے۔ اور اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے اب اس کو سمجھیے ـــــ تمام انبیاء عظام کی امامت کرانے کی غایت بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔ دوسری غایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے جو دو شاخیں چلیں، ایک بنی اسرائیل اور ایک بنی اسماعیل۔ بنی اسماعیل کا اوّل روز سے روحانی مرکز خانہ کعبہ ہے۔ بنی اسرائیل کا روحانی مرکز بیت المقدس بنا۔ نبی اکرم مکہ میں پیدا ہوئے۔ خود بنی اسمٰعیل میں سے ہیں تو گویا خانہ کعبہ کی آپ سے آپ وراثت آپؐ کو حاصل ہے ہی۔ جو فتح مکہ کے بعد بالفعل بھی حاصل ہو گئی۔ اس سفر معراج کے ذریعہ بیت المقدس کی وراثت اور وہاں کی برکات بھی اللہ تعالیٰ نے نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیں۔ گویا کہ دونوں قبلے نبی اکرم کی تحویل میں دے دیے گئے۔ لہٰذا دراصل تاقیام قیامت امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی کا حق ہے کہ یہ دونوں قبلے اس کی تحویل میں رہیں یہ دوسری بات ہے کہ جیسے بنی اسرائیل کے عروج کے دور میں ان

کے جرائم کی پاداش میں دو مرتبہ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی ہوئی ہے اغیار کے ہاتھوں۔ اس میں مسجد کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں اس کا ذکر ہے۔ اسی طرح ہمارے جرائم کی وجہ سے ہماری تولیت میں آنے کے بعد دو مرتبہ بیت المقدس کی بے حرمتی ہو چکی ہے۔ اس موضوع پر میرے ایک مضمون کا انگریزی ترجمہ "THE RISE AND DECLINE OF MUSLIM UMMAH" کے نام سے کتابی شکل میں موجود ہے اور اردو مضمون میری کتاب "سرافگندیم" کی ابتدا میں شامل ہے جو حضرات دلچسپی رکھتے ہوں — وہ تفصیلات کے لیے ان کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ پہلی مرتبہ ۱۰۹۹ء میں ہماری بداعمالی اور جرائم کی پاداش اور صلیبی جنگوں کے نتیجے میں بیت المقدس اور فلسطین کا پورا علاقہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو واگزار کرایا تھا۔ اس دور میں اٹھاسی برس تک مسلمانوں کا یہ قبلہ اوّل عیسائیوں کے قبضے میں رہا اور عیسائیوں نے وہاں مسلمانوں پر جو بہیمانہ مظالم کیے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ صرف ایک دن میں بیت المقدس کے شہریں ستر ہزار مسلمان قتل کیے گئے۔ اب ہماری زندگیوں میں دوسری بار ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں بیت المقدس اور تمام فلسطین نیز اردن و شام کے بہت سے علاقے پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ یہ بھی ہماری بداعمالیوں اور جرائم کی سزا ہے۔ کہ ہمیں یہ ذلت یہودیوں کے ہاتھوں اٹھانی پڑی۔ اس پر یہودیوں کے قبضہ کو سترہ سال تو بیت گئے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ یہودیوں کے ہاتھوں سے یہ علاقہ کب واپس لیا جائے گا۔ یہودیوں نے جب سے بیت المقدس پر قبضہ کیا ہے اسی وقت سے وہ کسی نہ کسی بہانے سے مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کرتے رہتے ہیں۔

بہرحال میں نے یہاں سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ ضروری باتیں عرض کر دی ہیں — اب یہاں سے اسی براق پر جو آسمانی سفر شروع ہوا ہے اس کی تفصیل نبی اکرمؐ نے اس حدیث میں بیان فرمائی ہے جو حضرت مالک ابن صعصعہؓ سے مروی ہے اور متفق علیہ روایت ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں — جس آسمان پر پہنچے وہاں حضرت جبرئیلؑ نے دستک دی ہے، سوال جواب ہوئے ہیں اور ہر آسمان پر حضورؐ کی چند جلیل القدر انبیاء و رسل سے ملاقات ہوئی ہے۔ چھٹے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو آنحضورؐ کے جدِ امجد ہیں، ملاقات ہوئی۔ خلیل اللہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ یہ بیت المعمور جو ہے تو درحقیقت ..... اس کا ہی ایک عکس بیت الحرام کا کعبہ شریف ہے۔ وہ ہے اصل بیت اللہ۔ ہماری زمین والا کعبہ اس کا ایک عکس یا نمونہ ہے — اس بیت المعمور کے متعلق روایات

میں آتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس میں روزانہ داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک مرتبہ اس میں داخل ہوا تو اسے دوبارہ داخل ہونے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ اس سے آپ اندازہ کیجئے: وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَط "اللہ کے لشکروں کو جاننے والا کوئی نہیں سوائے اس کی ذات سبحانہٗ و تعالیٰ کے" ان کی تعداد کا ایک تصور اس سے کیجئے کہ ستر ہزار فرشتے اس بیت المعمور میں روزانہ داخل ہو کر رکوع و سجود اور اللہ کی تحمید و تسبیح کرتے ہیں اور ان کے دوبارہ داخل ہونے کی باری نہیں آتی۔

پھر آگے حدیث میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ وہاں آنحضورؐ کو جو مشاہدات ہوئے۔ قرآن مجید میں سورۂ نجم میں اس کا ذکر موجود ہے۔ فرمایا: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ہ "اس کے دل نے جھٹلایا نہیں جو کچھ دیکھا"۔ اس میں ایک عجیب کیفیت کا بیان ہے۔ کسی وقت آپ کسی خاص چیز کو دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن دل میں بے یقینی کی سی کیفیت ہوتی ہے کہ پتہ نہیں جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں حقیقی شے ہے کہ نہیں اور وہ پکار اٹھتا ہے؛ آنچہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب ؟ اے اللہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں بیداری میں دیکھ رہا ہوں یا خواب میں دیکھ رہا ہوں ؟، کوئی ایسی حقیقت جو اچانک آپ کے سامنے منکشف ہو گئی ہو۔ جیسے آپ کے کوئی قریبی عزیز ہوں، وہ کئی سال سے کہیں گئے ہوئے ہوں، آپ کو ان کی کوئی خیر خبر نہ ہو اور وہ اچانک آپ کے سامنے آجائیں تو آپ سوچیں گے کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا حقیقت دیکھ رہا ہوں۔ کوئی اطلاع نہیں تھی کوئی خبر نہیں تھی۔ پہلے سے آدمی مطلع ہو ذہناً تیار رہے لیکن یہاں فرمایا: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا دل نے جھٹلایا نہیں بلکہ دل نے یقین کیا کہ صحیح دیکھ رہے ہیں۔ یہ ہے انسان کے حواس ظاہری اور اس کی باطنی کیفیت کا کامل منطبق ہو جانا۔ کوئی شبہ کوئی وسوسہ دل میں نہیں ہے کہ میرے اس دیکھنے میں کوئی مغالطہ تو نہیں، کوئی تخیل تو نہیں، کہیں میری نگاہ کا دھوکہ تو نہیں۔ آگے فرمایا: اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا یَرٰى ہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ہ "کیا تم انؐ سے جھگڑتے ہو جو انہوںؐ نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بے شک انہوں نے اس کو (مراد ہیں حضرت جبرئیل) پھر ایک بار اترتے دیکھا ہے" یعنی حضورؐ کوئی سنی سنائی بات نہیں کہہ رہے ہیں، انؐ کا مشاہدہ ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ جس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اسے کوئی جھٹلاتا رہے اسے تو اپنی بات کہنی ہے۔ وہ اپنا مشاہدہ بیان کرے گا۔ آگے فرمایا: عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ہ حضور کو یہاں حضرت جبرئیل کی جو ملکوتی صورت میں رویت ہوئی ہے۔ وہ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى کے پاس ہوئی ہے جس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ ویسے تو اس کا ترجمہ ہو گا "بیری کا وہ درخت جو مخلوق کی انتہا ہے"، منتہیٰ ختم ہو جانے والا مقام یہاں سے آگے وہ حریم ذات ہے جہاں مخلوق میں سے کسی کی رسائی نہیں ہے۔ کسے باشد ـــ

سدرۃ المنتہیٰ وہ مقام ہے جہاں احکام نازل ہوتے ہیں اور فرشتے یہاں سے تلقی کرتے ہیں اور ان کی تعمیل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہاں کے بارے میں ہمارے سلف سے ایک اختلاف رائے چلا آرہا ہے۔ دلائل کی بنا پر کوئی ان میں سے کوئی رائے رکھے تو اسے کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے سلف میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر نبی اکرمؐ نے ذاتِ باری تعالیٰ کا براہِ راست مشاہدہ کیا ہے۔ یہ رائے رکھنے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے صحابی بھی شامل ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں ہوا بلکہ آیات ربانیہ کا مشاہدہ ہوا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی فقیہہ یہ رائے رکھتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا: اَللّٰہُ نُوْرٌ اَنّٰی یُرٰی۔ اللہ تو ایک نور ہے اسے کیسے دیکھا جاسکتا ہے؟ نور کے ذریعہ سے کسی چیز کو دیکھا جاسکتا ہے۔ نور تو نور ہے۔ اسے کہاں دیکھا جاسکتا ہے۔ سورۃ النجم کی اگلی آیت اسی رائے کی تصدیق کرتی ہے۔ فرمایا: اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۝ "جبکہ اس بیری کے درخت کو ڈھانپے ہوا تھا جو ڈھانپے ہوئے تھا"۔ اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ ہم تم کو کیا بتائیں کہ اسے کیا ڈھانپے ہوئے تھا۔ تم نہیں سمجھ سکو گے۔ تمہاری زبان میں اس کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ بہت سے حقائق اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ انسانی زبان میں ان کی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ نئے الفاظ لائے جائیں تو ابلاغ و اعلام کا حق ادا نہیں ہو گا۔ انہیں کون سمجھے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مجمل رکھا۔ اسے کھولا نہیں: اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۝ معلوم ہوا کہ تجلیات ذاتِ باری کا وہاں نزول ہو رہا ہے۔ اب اس کی تعبیر کے لیے ہماری زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ اس آیت سے آگے درمیان میں ایک آیت چھوڑ کر الفاظ یہ ہیں: لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۝ "وہاں نبی اکرمؐ نے اپنے رب کی عظیم ترین آیات (نشانیوں) کا مشاہدہ فرمایا"۔ یہاں بھی لفظ آیات آیا ہے۔ اس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ سورۂ بنی اسرائیل میں بھی لفظ آیات آیا تھا۔ وہ مجرد آیات آیا تھا۔ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ لیکن یہاں آیا: مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ سب سے عظیم آیات۔ گویا اللہ کی عظیم ترین آیات وہ ہیں جن کا مشاہدہ فرمایا جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر۔ پس قرآن کا ذکر تو یہیں تک ہے۔ حدیث میں بھی اس سے آگے کوئی صراحت نہیں ہے۔ اگر ذاتِ حق کا بھی مشاہدہ ہوا ہوتا تو اس کا قرآن میں یا حدیث میں ذکر ہوتا۔ لیکن اس کی کوئی صراحت قرآن و حدیث میں نہیں ملتی۔ البتہ ہمارے سلف میں سے بعض حضرات نے یہ نتیجہ اخذ ضرور کیا ہے اور جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ اگر کوئی یہ رائے رکھے تو رکھ سکتا ہے۔ رہا ہماری شاعری کا معاملہ تو اس میں بڑے مبالغے ہیں وہ مبالغے درست نہیں ہیں، مثلاً علامہ اقبال یہ کہہ گئے ہیں ؎

موسیٰ بے ہوش رفت بیک جلوۂ صفات ۔۔۔ تو عین ذات می نگری و تبسمی!

یہ بات درست نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ کو جو چیز بے ہوش کرنے والی تھی۔ وہ جلوۂ ذاتی تھا۔ جلوۂ صفاتی نہیں تھا۔ جلوۂ صفاتی تو ہم میں سے ہر شخص دیکھ رہا ہے۔ یہ کائنات کیا ہے! یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا جلوہ ہی تو ہے۔ کل کائنات صفاتِ الٰہی کی جلوہ گاہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ کل کائنات اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے اظلال ہیں۔ ان کا سایہ ہے۔ یہ پوری تخلیق اللہ کی صفات ہی کا مظہر ہے۔ تو کوہِ طور پر جلوۂ صفات نہیں بلکہ جلوۂ ذاتی تھا کہ اس کا پرتو جب پہاڑ پر پڑا ہے تو پہاڑ اس کا تحمل نہ کر سکا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ سدرۃ المنتہیٰ پہ ذاتِ باری تعالیٰ کا دیدار ثابت نہیں ہے۔ نہ قرآن سے نہ حدیث سے۔ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے وہ یہ ہے: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ کہ آنحضور نے اپنے رب کی عظیم ترین (نشانیوں) آیات کا مشاہدہ کیا۔

حدیث میں البتہ یہ مذکور ہے کہ یہاں مکالمہ ہوا ہے۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیات حضورؐ کو عطا ہوئیں ہیں۔ یہ تحفہ ہے امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے جو شب معراج میں دیا گیا۔ پنجگانہ نمازوں کی فرضیت ہوئی ہے اور حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپؐ کی امت میں سے ہم ہر اس شخص کو آخر کار بخش دیں گے۔ جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو، یہ ہمارا وعدہ ہے۔ آپؐ کی امت کا جو فرد شرک کے ارتکاب سے بالکلیہ مجتنب رہے گا۔ ہم اس کی مغفرت فرما دیں گے۔ نماز میں ہو، التحیات، ہم پڑھتے ہیں یہ وہ مکالمہ ہے جو معراج کی شب کو باری تعالیٰ اور نبی اکرمؐ کے مابین ہوا۔ اسی موقع پر آپ کے سامنے دودھ، شہد اور شراب کے برتن لائے گئے اور آپؐ نے دودھ کا برتن اٹھا لیا۔

اب مجھے اس آیت کی تشریح میں کچھ عرض کرنا ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اگر علامہ اقبال کا ایک شعر میرے مطالعہ میں نہ آتا تو شاید اس آیت کا مفہوم میری سمجھ میں کبھی نہ آتا۔ اگرچہ اس شعر میں برعکس کیفیت بیان ہوئی ہے جو میں آگے عرض کروں گا۔ اس آیت کے سیاق میں آیت ہے: اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ اور سباق میں یہ آیت ہے: لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ ان کے درمیان میں یہ آیت وارد ہوئی ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ "حضورؐ کی نگاہ نہ تو کج ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی"۔ یہ دو باتیں بڑی عجیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی وقت میں کسی شے کے نظارے کے تحمل کی طاقت نہ ہو جیسے کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ روشنی بہت تیز آتی ہے۔ کہ اس کے سبب سے یا آنکھیں چندھیا جائیں گی یا بند ہو جائیں گی۔ ہم فوراً آنکھیں ہٹا لیں گے۔ چونکہ ہماری بصارت میں اتنی طاقت اور اتنا تحمل نہیں ہے کہ اس قدر اس روشنی کو برداشت کر سکے۔ اس کو کہا جائے گا۔ زَاغَ الْبَصَرُ۔ نگاہ ٹیڑھی ہو گئی۔ وہ

اس سیلابِ نور کا تحمل نہ کرپائی جو سامنے آیا اور وہ کج ہو گئی، یا ہٹ گئی۔ دوسری یہ ہے کہ بے ادبی کی کیفیت پیدا ہو جائے اور حدِ ادب سے تجاوز ہو جائے۔ دونوں کیفیتوں کی اس آیت میں نفی کی گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جو مشاہدہ کیا۔ وہ آیاتِ کبریٰ و تجلیاتِ ربانی کا ہو یا حضرت علی کی رائے کے مطابق خود ذاتِ باری کا ہوا ہو تو اس شان سے وہ مشاہدہ ہوا ہے کہ نہ نگاہ چکا چوند ہوئی اور نہ ہی اس نے حدِ ادب سے تجاوز کیا۔ ادب کا جو مقام ہے وہ ملحوظ رہا ۔۔۔ یہ بات میں نے کیوں کہی کہ یہ آیت میری سمجھ میں نہ آتی اگر علامہ اقبال کا ایک شعر میرے مطالعہ میں نہ آیا ہوتا تو اب میں اس کی وضاحت کرتا ہوں۔ بالِ جبریل میں علامہ کی ایک نظم ہے "ذوق و شوق" مجھے یہ نظم بہت پسند ہے۔ اس میں وہ شعر ہے جو علامہ عجیب کیفیت میں کہہ گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہی آیت مبارکہ ان کے ذہن میں ہو جس نے یہ شعر کہلوا دیا ہو۔ جس میں کتنی متضاد کیفیات کو سمو دیا گیا ہے۔ علامہ کہتے ہیں ؎

عین وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا! گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہِ بے ادب

اب یہ باتیں بالکل برعکس ہیں، ایک یہ کہ حوصلہ نہیں۔ وہ حسن و جمال اس درجۂ کمال کا ہے کہ اس نے مرعوب کر لیا ہے کہ نگاہ جما کر اس کو دیکھنے کا مجھے حوصلہ نہیں۔ اگرچہ میری نگاہ میں ایک شوخی اور بے ادبی تھی۔ میں بہانہ ہی تلاش کرتا رہا۔ لیکن حوصلۂ نظر پیدا نہ ہو سکا۔ ان دونوں چیزوں کا جب تقابل کریں گے۔ تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ برعکس کیفیات اس آیت میں ہیں: مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ہ نگاہ نہ حدِ ادب سے آگے بڑھی اور نہ کج ہوئی کہ تحمل نہ کر سکے۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی دکھایا اسے آپؐ نے دیکھا اور ایسے دیکھا جیسے دیکھنے کا حق ہے۔ پورا تحمل آپؐ کی ذاتِ مبارک میں موجود تھا۔ لیکن عبدیت کے مقام سے آگے نہیں بڑھے۔ عبدیت کے حوالے سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے ابنِ عربی کا یہ شعر بہت پسند ہے جو میں نے بارہا آپ کو سنایا ہے۔ یہ موازنہ ہر دم سامنے رہنا چاہیئے کہ ؎

اَلْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی ! ! وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلْ !

"بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے اسے کتنا ہی عروج حاصل ہو جائے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر بندے ہی رہے۔ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ اور فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ ۔ سورۃ بنی اسرائیل اور سورہ نجم میں اسی مقامِ عبدیت کو نمایاں رکھا گیا۔ ایک صحیح حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں سمائے دنیا پر نزولِ اجلاس فرماتا ہے۔ لیکن اس پہلے آسمان پر نزول فرمانے کے باوجود وہ اللہ ہی رہے گا۔ معبود ہی رہے گا۔ خالق ہی رہے گا۔ مخلوق نہیں بن جائے گا۔ اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے ہی رہے اور عبدیت کی شان یہ رہی کہ: مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔

میں نے یہ چند باتیں واقعۂ معراج کے بارے میں اس مختصر وقت میں عرض کی ہیں۔ میں نے تین چار سال قبل ماڈل ٹاؤن میں واقعہ معراج پر ایک تقریر کی تھی۔ ہمارے بزرگ ساتھی شیخ جمیل الرحمٰن صاحب بڑی ہمت اور ذوق و شوق کے ساتھ میرے دروس قرآن اور تقاریر کو ٹیپ سے اتارنے کا کام کر رہے ہیں۔ جن میں سے اکثر شائع ہو چکی ہیں۔ معراج النبی والی تقریر بھی مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ میں نے آج ہی صبح اس کو پہلی بار پڑھا ہے۔ میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ میں خود حیران ہوا کہ میں نے ایک مختصر تقریر میں اتنی اہم باتیں کیسے سمو دیں۔ خاص اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے ——— اس کتاب میں وہ حدیث بھی مکمل طور پر قابل ہے جس کا حوالہ میں آج کی گفتگو میں دے چکا ہوں۔ نیز قرآن مجید کے دونوں مقامات پر جن کا ذکر آج آیا ہے اس میں قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو موجود ہے۔ یہ رجب کا آخری عشرہ ہے۔ ان کی مناسبت سے ایک ذہنی آمادگی اور طبیعت کا رجحان ہوتا ہے اگر طبیعت میں اس مسئلہ پر مزید سمجھنے کا میلان پیدا ہوا ہو تو میں آپ سے عرض کروں گا کہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں اور اپنے احباب تک پہنچائیں۔

نشر القرآن کی نئی کیسٹ سیریز

الہدیٰ
کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)
کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر مشتمل

درسِ قرآن

کے ۳۰ کیسٹس سی T-D-K 60 جاپانی کیسٹ پر ریکارڈ کروائے گئے ہیں جس کی قیمت -/۷۵۰ روپے ہے۔ لاہور سے باہر رہائش پذیر خواہش مند حضرات -/۷۶۰ روپے بذریعہ بنک ڈرافٹ / منی آرڈر نشر القرآن کے نام درج ذیل پتہ پر بھجوا کر کیسٹس حاصل کر سکتے ہیں۔

تنظیم اسلامی

نشر القرآن کیسٹ سیریز

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴
فون: ۸۵۲۶۱۱

قاری نصیر احمد غزنوی

اظہارِ حق

قسط (۹)

قادیانیت

اپنے لٹریچر کے آئینے میں

(گزشتہ سے پیوستہ)

مرزا صاحب کا شکمِ مادر سے نبی ہونے کا دعویٰ

ہمارا اجتہاد خطا کر جائے تو اس میں الہامِ الٰہی کا کیا قصور ہوگا۔ کیا نبیوں کے اجتہادات میں اس کا کوئی نمونہ نہیں۔ (آسمانی فیصلہ ص ۳۱/۴۴۱ جنوری ۱۸۹۲ء)

افسوس کہ ان لوگوں نے ان خیالات کے ظاہر کرنے کے وقت یہ نہیں سوچا کہ ان غلطیوں سے دنیا میں کسی نبی کی پیشگوئی قائم نہیں رہتی۔ کیونکہ ہر ایک جگہ اس وہم کا دروازہ کھلا ہے کہ اتفاقی واقعہ ہے۔ پس اگر یہی رائے سچی ہے تو انہیں اقرار کرنا چاہیئے کہ تمام نبیوں کی نبوت پر کوئی ثبوت نہیں۔ اور سب اتفاقی واقعات ہیں۔ توریت اور قرآن نے سب سے بڑا ثبوت نبوت کا صرف پیشگوئی کو قرار دیا ہے۔

(استفتاء ص ۱۱۱/۳ ۱۲ مئی ۱۸۹۷ء)

اور یہ اعتراض جو تم کرتے ہو نئے نہیں۔ نوشتوں کو پڑھو کہ پہلے بدفہم لوگوں نے ایسے ہی اعتراض نبیوں پر کیے ہیں۔ تمہارے دل ان سے مشابہ ہو گئے۔

(استفتاء ص ۱۵۹/۲۱ ۱۲ مئی ۱۸۹۷ء)

کیا کسی کو یاد ہے کہ کاذب اور مفتری کو افتراؤں کے دن سے ۲۵ برس تک مہلت ملی جیسا کہ اس بندے کو کاذب بول ملا جاتا ہے جیسا کہ کھٹمل اور ایسا نابود کیا جاتا ہے جیسا کہ بلبلہ اگر کاذبوں اور مفتریوں کو اتنی مدت تک مہلت دی جاتی اور صادقوں

کے نشان ان کی تائید کے لیے ظاہر کیے جاتے تو دنیا میں اندھیر پڑ جاتا۔

(سراج منیر ص۲ مئی ۱۸۹

بعض نادان کہتے ہیں کہ ہر دفعہ عذاب اور موت کی پیشگوئیاں کیوں کی جاتی ہیں
نادان نہیں جانتے کہ ہر ایک نبی انذاری پیشگوئیاں کرتا رہا ہے۔ (سراج منیر ص۵/۵۹ مئی

تیئسویں پیشگوئی : اور پھر فرمایا کہ جو لوگ تیرے پر ایمان لائیں گے ان
خوشخبری دے کہ وہ اپنے رب کے نزدیک قدم صدق رکھتے ہیں اور جو
پر وحی نازل کرتا ہوں تو ان کو سنا خلق اللہ سے منہ مت پھیر اور ان کی ملاقا
سے مت تھک ۔۔ اور اس کے بعد یہ الہام ہوا وسع مکانک یعنی اپ
مکان کو وسیع کرے۔ اس پیشگوئی میں صاف فرمادیا کہ وہ دن آتا ہے کہ ملاقا
کرنے والوں کا بہت ہجوم ہوگا۔ (سراج منیر ص۴۳/۱۷ مئی ۱۸

میں تمہارے پاس تخمیناً بیس برس سے آیا ہوں پس سوچ لو کہ کیا یہ د
کی مدت ہے۔ (حجۃ اللہ ص۸۶ ص۲۳۴/۹۹ ۱۲ مئی

نوٹ : فرق ملاحظہ ہو ایک ہی ماہ اور ایک ہی سنہ کی کتابیں ہیں۔ پہلی میں
مدت ۲۵ سال دوسری میں ۲۰ برس بتائی ہے (ن ا)

یہ ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی شخص کھلا کھلا خدا پر افتراء کرے اور کہے کہ میں اس
ہوں اور اپنا کلام پیش کرے اور کہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ حالانکہ وہ نہ نبی ہو
کا کلام خدا کا کلام ہو۔ اور پھر اسے سچوں کی طرح مہلت دے دے سو یہی
خداتعالیٰ کی قدیم سنت میں داخل ہے کہ وہ نبوت کے جھوٹا دعوے کرنے
کو مہلت نہیں دیتا بلکہ ایسا شخص جلد پکڑا جاتا ہے اور اپنی سزا کو پہنچ جاتا ہے
(تحفہ قیصریہ ص۶ ص۲۵۸/۶ ۲۵ مئی ۱۸۹۷

جواب میں اتنا لکھنا کافی ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کی نبوت ثا
ہوتی رہی ہے اسی طرح میرے اس دعوے کو میرے خدا نے ثابت کیا ہے
(کشف الغطاء ص۲۱۶/۱۴ ص۲۱۷/۱۴ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۷

مامورین کے پہچاننے کا یہ اصول ہے کہ ان کو اس طریق سے پہچانا جائے
طریق سے انبیاء کی نبوت پہچانی جاتی ہے۔ اس لیے میری تکذیب کوئی الزام

یں کیونکہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا اور استہزاء کیا گیا۔ (نجم الہدیٰ ص۱۴۳ ۲۰ نومبر ۱۸۹۸ء)

دیکھو صفحہ ۵۰۴ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے جری اللہ فی حلل الانبیاء
س کا ترجمہ یہ ہے خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں اس الہام میں میرا نام رسول بھی رکھا گیا۔
ر نبی بھی جس شخص کے خود خدا نے یہ نام رکھے ہوں اس کو عوام میں سے سمجھنا کمال درجہ
ی شوخی ہے۔ (ایام الصلح ص $\frac{309}{84}$ ص۷۵ جنوری ۱۸۹۹ء)

جب کہ اجتہادی غلطی ہر ایک نبی اور رسول سے بھی ہوئی ہے تو ہم بطریق تنزل
تے ہیں کہ اگر ہم میں سے بھی کوئی اجتہادی غلطی ہوئی بھی تو وہ سنتِ انبیاء ہے۔

(تریاق القلوب ص $\frac{29}{192}$ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۲ء)

اور سچ سچ میرا رب میرے ساتھ ہے میرے بچپن سے میری لحد تک۔

(خطبۂ الہامیہ ص۶۱ ۱۱ر اپریل ۱۹۰۰ء)

مدعی رسالت کو تیس برس تک مہلت دی اور لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا کے وعدہ کا
خیال نہ کیا تو اسی طرح نعوذ باللہ یہ بھی قریب قیاس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بھی باوجود کاذب ہونے کے مہلت دے دی ہو۔

(اربعین نمبر ۲ ص $\frac{391}{49}$، ص $\frac{392}{50}$ ص۶، ص۷ ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

اور منجملہ دلائل صدق کے یہ بھی ایک دلیل ہے اور خدا تعالیٰ کے قول کی بھی
صدیق تبھی ہوتی ہے کہ جھوٹا دعوےٰ کرنے والا ہلاک ہوجائے ورنہ منکر پر کچھ حجت
یں ہوسکتا۔ (اربعین نمبر ۴ ص $\frac{434}{92}$ ص $\frac{435}{93}$ ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

(اعتراض) جو میری نسبت اُن کے منہ سے نکلتے ہیں تو ان میں تمام نبی شریک
یری نسبت جو کہا جاتا ہے پہلے سب کچھ کہا گیا ہے۔

(اربعین نمبر ۴ ص $\frac{469}{127}$ ۲۹ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

کیونکہ ہماری تمام بحث وحی نبوت میں ہے جس کی نسبت یہ ضروری ہے کہ
ں کلمات پیش کرکے یہ کہا جائے کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ہمارے پر نازل ہوا ہے
ں پہلے تو یہ ثبوت دینا چاہیئے کہ کونسا کلام الٰہی اس شخص نے پیش کیا ہے۔
ں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ پھر بعد اس کے یہ ثبوت دینا چاہیئے کہ جو تیئیس
س تک کلام الٰہی نازل ہوتا رہا ہے وہ کیا ہے (اربعین نمبر ۴ ص $\frac{477}{135}$ ۲۹ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

براہین احمدیہ میں اور کئی جگہ رسول کے لفظ سے اس عاجز کو یاد کیا گیا۔ میری نبوت اور رسالت باعتبار محمد اور احمد ہونے کے ہے۔۔۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔

ایک غلطی کا ازالہ۔ (۵، نومبر ۱۹۰۱ء، صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۶)

اب میں بموجب آیۂ کریمہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنی نسبت بیان کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تیسرے درجے میں داخل کر کے وہ نعمت بخشی ہے کہ جو میری کوشش سے نہیں بلکہ شکم مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸ صفحہ ۲۰ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

انوٹ : ۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۷ء تک کی ۱۲ کتابوں کے ۱۸ اقتباسات سے ثابت ہو رہا ہے کہ مرزا صاحب دعوے کے آغاز ہی سے نہیں بلکہ شکم مادر سے خود کو نبی سمجھتے تھے۔ (ن ا)

مرزا صاحب کے ایام بعثت

(۱) میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا ہے کہ میں مسیح بن مریم ہوں۔۔۔ بلکہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔

(ازالۂ اوہام حصہ اول صفحہ ۱۹۲ صفحہ ۱۹۰ ۱۸۹۱ء)

انوٹ : اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۴ء ثابت ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۵ سال، ۴ ماہ، ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۲) براہین احمدیہ کے دیکھنے سے ظاہر ہوگا کہ یہ عاجز تجدید دین کے لیے اپنی عمر کے سن چالیس میں مبعوث ہوا۔ جس کو قریباً گیارہ برس کے گذر گیا۔

(نشان آسمانی صفحہ ۴/۳۶۴ - جون ۱۸۹۲ء)

انوٹ : اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۱ء ثابت ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۶ سال ۱۰ ماہ ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۳) واضح رہے کہ یہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لیے بالہام خاص مامور کیا گیا اور بشارت دی گئی کہ اسی برس یا اس کے قریب تیری عمر ہے۔ سو اس الہام سے چالیس برس دعوت ثابت ہوتی ہے جن میں سے

دس برس کامل گذر بھی گئے۔ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۸۔
(نشانِ آسمانی ص۱۴/۴۴ جون ۱۸۹۲ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۲ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۲۵ سال ۱۱ ماہ ہوتے ہیں (ن ا)

(۴) اس عاجز کے دعوے مجدد اور مثیل مسیح ہونے دعوے ہمکلام الٰہی ہونے پر اب بفضلہٖ تعالیٰ گیارہواں برس جاتا ہے۔ کیا یہ نشان نہیں ہے۔
(نشانِ آسمانی ص۳۷/۳۹ جون ۱۸۹۲ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۱ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۲۶ سال ۱۱ ماہ ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ اس کتاب کے تینوں اقتباسات کے خط کشیدہ حصے قابلِ غور ہیں۔ (ن ا)

(۵) یہ عاجز قریباً گیارہ برس سے شرف مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہے۔
(برکات الدعا ص۲۶ اپریل ۱۸۹۳ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۲ء ثابت ہوتا ہے
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۲۶ سال ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۶) مَیں آج تم میں ظاہر نہیں ہوا بلکہ سولہ برس سے حق کی دعوت کر رہا ہوں۔ تمہیں یہ بھی سمجھ نہیں کہ مفتری جلد ضائع ہو جاتا ہے۔
(ضیاء الحق ص۳۱۷ ۔ ۱۸۹۵ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۹ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۲۹ سال ۴ ماہ ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ۱۸۹۳ء میں گیارہ برس ۱۸۹۵ء میں سولہ برس لکھے ہیں۔
(ن ا) ۔

(۷) میرے دعویٔ الہام پر پورے بیس برس گذر گئے اور مفتری کو اس قدر مہلت نہیں دی جاتی۔ (انجام آتھم ص۴۹ دسمبر ۱۸۹۶ء ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء)
نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۶ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۳۱ سال ۵ ماہ ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۸) کیا کسی کو یاد ہے کاذب اور مفتری کو افتراؤں کے دن سے پچیس برس تک
مہلت دی گئی جیسا کہ اس بندہ کو۔ (سراج منیر ص۲/۴ مئی ۱۸۹۷ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۲ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۳۶ سال ۴ ماہ ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی
غور طلب ہے کہ انجام آتھم (۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء) میں مدتِ بعثت بیس برس اور
سراج منیر (مئی ۱۸۹۷ء) میں مدتِ بعثت پچیس برس تحریر فرمائی ہے۔
(ن ا)

(۹) میں تمہارے پاس تخمیناً بیس برس سے آیا ہوں۔ پس سوچ لو کہ کیا یہ
دروغ گو کی مدت ہے۔ (حجۃ اللہ ص۸۶ ۲۴۴/۹۶ - ۲۹ مئی ۱۸۹۷ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۷ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۳۱ سال ۴ ماہ ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۱۰) اگر میں جھوٹا ہوتا تو دعوے کے بعد تیس سال تک کیسے زندہ رہتا۔
(خطبہ الہامیہ ص۱۳-۲ ۱۱ اپریل ۱۹۰۰ء سے اکتوبر ۱۹۰۱ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۰ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۳۶ سال ایک ماہ ۱۵ دن ثابت ہیں (ن ا)

(۱۱) براہین احمدیہ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعوئے منجانب اللہ ہونے
اور مکالماتِ الٰہیہ کا قریباً تیس برس سے ہے اور اکیس برس سے
براہین احمدیہ شائع ۔۔۔۔ ہے۔ (اربعین نمبر۴ ص۳۹۱/۴۹ ص۶ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۰ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۳۷ سال ۵ ماہ ۱۲ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۱۲) قریباً تیس سال سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ (دافع البلاء ص۲۴۲/۲۶ - ۲۲ اپریل ۱۹۰۲ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۲ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایامِ بعثت قریباً ۳۶ سال ایک ماہ ۴ دن ہوتے ہیں۔

(۱۳) حافظ صاحب علم سے بے بہرہ ہیں ۔۔۔ کسی عیسائی یا یہودی کو طاقت نہ ہوئی
کہ کسی ایسے شخص کا نشان دے جس نے افتراء کے طور پر مامور من اللہ ہونے

دعویٰ کرکے تیئس برس پورے کیے ہوں۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صـ٦ صـ۲۴/۸ یکم ستمبر ۱۹۰۲ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۹ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۸ سال ۸ ماہ ۲۵ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

۱۴) اس اکیس برس کے عرصہ میں براہین احمدیہ سے لے کر آج تک میں نے چالیس کتابیں تالیف کی ہیں اور ساٹھ ہزار کے قریب اپنے دعوے کے ثبوت کے متعلق اشتہارات شائع کیے ہیں۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صـ۷ صـ۲۶/۳۰ یکم ستمبر ۱۹۰۲ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۱ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۷ سال ۸ ماہ ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

۱۵) تم دیکھتے ہو کہ میرا دعوے منجانب اللہ ہونے کا ۲۳ برس سے بھی زیادہ کا ہے جیسا کہ براہین احمدیہ کے پہلے حصہ پر نظر ڈال کر تم سمجھ سکتے ہو۔

(تذکرۃ الشہادتین صـ۶۳ صـ۶۴/۶۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۰ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک قریباً ۲۸ سال ۷ ماہ ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

۱۶) میرا دعوے منجانب اللہ ہونے کا اور نیز مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہونے کا قریباً ستائیس برس سے ہے یعنی اس زمانہ سے بھی بہت پہلے سے ہے کہ جب براہین احمدیہ ابھی تالیف نہیں ہوئی تھی۔

(لیکچر لاہور صـ۴۳ صـ۱۸۸/۴۲ صـ۱۸۹/۴۴ ۔ ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۷ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۰ سال ۸ ماہ ۲۳ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

۱۷) میری عمر ۶۷ سال کی ہے اور میری بعثت کا زمانہ تیئس سال سے بڑھ گیا ہے۔

(لیکچر لدھیانہ صـ۲۹۳/۵ ۴، نومبر ۱۹۰۵ء)

اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۲ء ثابت ہوتا ہے وفات تک ایام بعثت ۲۶ سال ۶ ماہ ۲۲ دن ہوتے ہیں (ن ا)

۱۸) میں قریباً شئیس برس سے اپنی وحی برابر آج تک شائع کر رہا ہوں۔

(تحفۃ الندوہ صـ۱۰/۱۲ ۹ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۲ء ثابت ہوتا ہے وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۵ سال ۷ ماہ ۲۱ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۱۹) میں خدا تعالیٰ کی تئیس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۴/۱۵۴ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۴ء ثابت ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۴ سال ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۲۰) میرے اس دعوے اور الہام پر پچیس سال سے زیادہ گذر چکے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام بعثت سے بھی زیادہ ہیں۔ کیونکہ وہ تئیس برس تھے اور یہ تیس برس کے قریب اور ابھی معلوم نہیں کہ کہاں تک خدا تعالیٰ کے علم میں میرے ایام دعوت کا سلسلہ ہے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۲۰۶/۲۱۴ ص ۲۱۵/۲۱۵ ص ۲۰ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۷ء ثابت ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۱ سال ۱۲ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۲۱) جب مجھ کو یہ الہام ہوا: اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ تو میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۱/۲۲۰ ص ۲۱۱ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

نوٹ: یہ الہام غالباً ۱۸۸۰ء کا ہے۔ اس کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۰ء معلوم ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۸ سال ۴ ماہ ۲۶ دن ہونے چاہئیں (ن ا)

(۲۲) میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جب سلسلہ الہامات کا شروع ہوا تو اس زمانہ میں میں جوان تھا اب میں بوڑھا اور ستر سال کے قریب عمر پہنچ گئی اور اس زمانہ پر قریباً پینتیس سال گذر گئے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۴۶ ص ۱ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۲ء ثابت ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۶ سال ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۲۳) ہر ایک کو معلوم ہے کہ میرے اس دعوے پر کہ میں خدا تعالیٰ سے مامور ہو کر آیا ہوں اور اس کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں، چھبیس برس کے قریب عرصہ گذر گیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۶۱ ص ۱ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

نوٹ : اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۱ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایّام بعثت قریباً ۲۷ سال ہوتے ہیں۔ (ن ا)۔

(۲۴) ساٹھ سے ہیں کچھ برس میرے زیادہ اس گھڑی
سال ہے اب تیسواں دعوے پہ از روئے شمار

درثمین ص۱۲۵ منقول از براہین احمدیہ حصّہ پنجم ص۹۷ مطبوعہ ۱۹۰۸ء

نوٹ : اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۸ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۰ سال ہوتے ہیں۔ (ن ا)

(۲۵) ایک عظیم الشان نشان یہ ہے کہ آج سے ستائیس برس پہلے یا کچھ زیادہ میری یہ حالت تھی کہ میں ایک احد من الناس تھا اور ایسا گمنام تھا کہ صرف چند آدمی ہوں گے جو میرے صورت آشنا ہوں گے اور کسی عزت اور وجاہت کا مالک نہیں تھا... اس زمانہ میں خدا نے میرے آئندہ عروج اور شوکت و جلال کی خبر دی جو دو سال بعد میری کتاب براہین احمدیہ میں چھپ کر شائع ہو گئی جس کو آج پچیس برس گذر گئے۔ (چشمۂ معرفت۔ دوسرا حصّہ ص۳۰۵ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء)

نوٹ : اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۱ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۷ سال ۱۱ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)۔

(۲۶) میں تخمیناً تیس برس سے خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں۔
(پیغام صلح ص۴۷ مئی ۱۹۰۸ء ۱۴ھ ۱۶)

نوٹ : یہ مرزا صاحب کی وفات سے دو دن قبل کی کتاب ہے۔ اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۸ء ثابت ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۰ سال ۲ دن ہوتے ہیں۔ (ن ا)

نوٹ : مرزا صاحب کے ایام بعثت پڑھ کر آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان کے دعوئے نبوّت میں کتنی صداقت ہے۔ ایک سنہ کی کتابوں ہی میں نہیں، ایک کتاب میں بھی کہیں کچھ اور کہیں کچھ مدّت تحریر کی ہے۔ منصب نبوّت پر فائز ہونا تو نہایت اہم بات ہے، حجاج کرام تو حج ادا کرنے کے سال کو بھی یاد رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک

بہت بڑا انعام خداوندی ہے۔ یہی حال دنیاوی اعزازات و معاملات کا ہے۔ ہر شخص اپنے، ڈاکٹر، انجنیئر، جسٹس، چیف جسٹس، وکیل، بیرسٹر، لیکچرار، پروفیسر، ڈی سی، ایس پی، آئی جی، کرنل، جنرل، سفیر، وزیر یا صدر مملکت ہونے کے سن کو نہیں بھولتا۔ ایسے ہی اور اہم معاملات، مثلاً شادی بیاہ، موت میت، دکان کا افتتاح یا مکان کی تعمیر وغیرہ کا سن یاد رکھنا بھی عام سی بات ہے۔ حیرت و تعجب ہے، کہ مرزا صاحب کو اپنا سالِ بعثت کیوں صحیح یاد نہیں رہا، جب کہ پانچ استادوں کے شاگرد اور (بقولِ خود) پڑھے لکھے بنی تھے۔ انہوں نے اپنی پہلی وحی ضرور لکھی ہوگی۔ اگر نہیں لکھی تو یہی وجہ ہو سکتی ہے، کہ یا تو وہ وحی کا مطلب نہیں سمجھے یا وہ بھول گئے ہوں۔ سوال یہ ہے جو شخص اتنا غبی ہو کیا وہ نبی ہو سکتا ہے؟

(ف ۱)

مرزا صاحب کے ایامِ بعثت کے تضادات — ایک نظر میں

(۱) سنہ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت قریباً ۲۵ سال ۴ ماہ ۲۶ دن۔
(۲) سنہ بعثت ۱۸۸۱ء : ایامِ بعثت قریباً ۲۶ سال ۱۰ ماہ ۲۶ دن۔
(۳) سنہ بعثت ۱۸۸۲ء : ایامِ بعثت قریباً ۲۵ سال ۱۱ ماہ۔
(۴) سنہ بعثت ۱۸۸۱ء : ایامِ بعثت قریباً ۲۶ سال ۱۱ ماہ ۲۶ دن۔
(۵) سنہ بعثت ۱۸۸۲ء : ایامِ بعثت قریباً ۲۶ سال ۲۶ دن۔
(۶) سنہ بعثت ۱۸۷۹ء : ایامِ بعثت قریباً ۲۹ سال ۴ ماہ ۲۶ دن۔
(۷) سنہ بعثت ۱۸۷۶ء : ایامِ بعثت قریباً ۳۱ سال ۵ ماہ۔
(۸) سنہ بعثت ۱۸۷۲ء : ایامِ بعثت قریباً ۳۶ سال ۴ ماہ ۲۶ دن۔
(۹) سنہ بعثت ۱۸۷۷ء : ایامِ بعثت قریباً ۳۱ سال ۴ ماہ ۲۶ دن۔
(۱۰) سنہ بعثت ۱۸۷۰ء : ایامِ بعثت قریباً ۳۶ سال ایک ماہ ۱۵ دن
(۱۱) سنہ بعثت ۱۸۷۰ء : ایامِ بعثت قریباً ۳۷ سال ۵ ماہ ۱۲ دن۔

(۱۲) سنہ بعثت ۱۸۷۲ء : ایامِ بعثت تقریباً ۳۶ سال ایک ماہ ۴ دن۔
(۱۳) سنہ بعثت ۱۸۷۹ء : ایامِ بعثت تقریباً ۲۸ سال ۸ ماہ ۲۵ دن۔
(۱۴) سنہ بعثت ۱۸۸۱ء : ایامِ بعثت تقریباً ۲۷ سال ۸ ماہ ۲۶ دن۔
(۱۵) سنہ بعثت ۱۸۸۰ء : ایامِ بعثت تقریباً ۲۸ سال ۷ ماہ ۲۶ دن۔
(۱۶) سنہ بعثت ۱۸۷۷ء : ایامِ بعثت تقریباً ۳۰ سال ۸ ماہ ۲۳ دن۔
(۱۷) سنہ بعثت ۱۸۸۲ء : ایامِ بعثت تقریباً ۲۶ سال ۹ ماہ ۲۲ دن۔
(۱۸) سنہ بعثت ۱۸۸۳ء : ایامِ بعثت تقریباً ۲۵ سال ۷ ماہ ۲۱ دن
(۱۹) سنہ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت تقریباً ۲۴ سال۔
(۲۰) سنہ بعثت ۱۸۷۷ء : ایامِ بعثت تقریباً ۳۱ سال ۱۲ دن۔
(۲۱) سنہ بعثت ۱۸۸۰ء : ایامِ بعثت تقریباً ۲۸ سال ۴ ماہ ۲۶ دن۔
(۲۲) سنہ بعثت ۱۸۷۲ء : ایامِ بعثت تقریباً ۳۶ سال۔
(۲۳) سنہ بعثت ۱۸۸۱ء : ایامِ بعثت تقریباً ۲۷ سال۔
(۲۴) سنہ بعثت ۱۸۷۸ء : ایامِ بعثت تقریباً ۳۰ سال۔
(۲۵) سنہ بعثت ۱۸۸۱ء : ایامِ بعثت تقریباً ۲۷ سال ۱۱ دن
(۲۶) سنہ بعثت ۱۸۷۹ء : ایامِ بعثت تقریباً ۳۰ سال ۲ دن۔

نوٹ

ہم جملہ مسلمانان، خواہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رہتے بستے ہوں، کسی بھی رنگ و نسل کے ہوں، کسی بھی زبان میں گفتگو کرتے ہوں، کسی بھی مسلک کے پیرو ہوں ، سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خاتم النبیّین مانتے ہیں اور ظلّی و بروزی نبوّت کے قائل نہیں ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تمام اولادِ سیدنا حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسلام میں بے مثال اور یکتا ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ جلّ شانہٗ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

بھی اپنی ذات و صفات میں یکتا ہیں۔ یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں، جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک یہی رہے گا۔ ہم اس بات پر پختہ ایمان و یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی آپؐ کا مثیل و نظیر نہیں ہو سکتا۔ مگر جناب کرشن، رام چندر، مرزا غلام احمد قادیانی رودر گوپال صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے اس متفقہ فیصلے اور عقیدے پر ضرب لگانے اور آپؐ کی یکتائی کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

اگر کسی بے مثال و بے نظیر ہستی یا شئے کی یکتائی ختم کرنی ہو تو اس کی مثال و نظیر پیدا کر لی جائے۔ پھر وہ ہستی یا شئے بے مثال و بے نظیر نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ اس کی مثال و نظیر موجود ہوگی۔

مرزا صاحب نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے مثالی، بے نظیری و یکتائی کو ختم کرنے کے لیے آپؐ کا مثیل و نظیر ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کی دو ہی ممکن صورتیں تھیں، یا تو وہ آنحضرتؐ کو اپنے جیسا بنا لیتے، یا خود اُنؐ جیسا بن جاتے۔ جس سے اُنؐ کی بے مثالی و یکتائی ختم ہو جاتی۔ انہوں نے دوسری صورت اختیار کی۔ اپنا جیسا تو بنانا بہت مشکل کیا ناممکن تھا۔ اس لیے زبردستی اُنؐ جیسا بننے کی کوشش کی، اور بزعم خود اُنؐ جیسا ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ یہ ویسے بھی آسان تھا۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام فضائل و شمائل کتابوں میں محفوظ ہیں، صرف مطالعہ کر کے اپنے اوپر چسپاں کرنے کی ضرورت تھی اور یہ انھوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا تھا۔ مرزا صاحب نے اپنے خیال کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و بزرگی بڑھانے کے لیے اُنؐ کے مثیل و نظیر ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دراصل انہوں نے توقیر کے پردے میں تنقیص کی ہے۔

بقول شاعر

شمع قربت بجھ گئی یہ کس نے ٹھنڈی سانس لی
ہائے ہمدردی کے پردے میں اندھیرا ہو گیا

(انصر احمد)

ہندوستان میں ۱۵ پندرہ دن

از قلم : ڈاکٹر عارف رشید، نیلو قرآن اکیڈمی !!!

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قارئین میثاق کے علم میں ہوگا کہ آپا جان عرصہ پانچ سال سے ہر سال بغرض درس قرآن امریکہ جا رہے ہیں ـــــ برصغیر پاک و ہند کے رہنے والے حضرات جو کم و بیش گذشتہ بیس سال سے وہاں مقیم ہیں ان میں سے عظیم اکثریت حیدر آباد دکن (انڈیا) سے متعلق ہے جو وہاں کی مذہبی اور سماجی سرگرمیوں میں پیش پیش ہیں۔ ایسے بہت سے حضرات نے حیدر آباد دکن میں موجود اپنے عزیز و اقارب کو امریکہ میں ریکارڈ شدہ ڈاکٹر صاحب کی تقاریر کے کیسٹ CASSETTES بھیجے۔ ان کیسٹ کی وہاں بے شمار نقول تیار کی گئیں اور لوگوں میں پھیلائی گئیں ـــــ لوگوں نے ان کیسٹ کو سنا اور اب وہ اس بات کے خواہش مند ہوئے کہ کس طرح ڈاکٹر صاحب کو یہاں مدعو کیا جائے۔ ان ہی حضرات میں سے ایک صاحب جناب حیدر محی الدین غوری صاحب گذشتہ سال امریکہ کو مستقلاً خیر آباد کہہ کے حیدر آباد آ گئے تھے ـــــ وہ ڈاکٹر صاحب کے مزید کئی کیسٹ ساتھ لائے۔ ان کے بقول ان کیسٹ کی ہزاروں نقول تیار کی گئیں اور حیدر آباد کے دینی شغف رکھنے والے حلقے میں پھیلا دی گئیں۔ نتیجۃً لوگوں کی پیاس مزید بڑھی اور گذشتہ سال ماہ اکتوبر، نومبر میں ان کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے لئے دعوت نامے موصول ہونا شروع ہو گئے ـــــ بہرحال انڈیا کے لئے پاسپورٹ پر ENDORSEMENT کروائی گئی۔ اور یوں ہمیں انڈیا کے تین شہروں یعنی حیدر آباد، دہلی اور لکھنو کا ویزا مل گیا ـــــ

۹ اپریل ۱۹۸۴ء : لاہور سے روانگی

مورخہ ۹ اپریل بروز سوموار راقم اور آپا جان شام چار بجے کی اسٹرانڈیا کی پرواز سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے ـــ پرواز کل ۱۰ منٹ کی تھی لاہور اور دہلی کے مابین کل فاصلہ لگ بھگ تین صد (۳۰۰) میل ہے لیکن حکومت انڈیا اور پاکستان کی طرف سے جو قوانین وضع کئے گئے ہیں وہ کچھ ایسے پیچیدہ ہیں کہ اس چالیس منٹ کی فلائیٹ کے لئے مہینوں خوار ہونا پڑتا ہے ـــــ بہرحال انڈیا کے وقت کے مطابق ہم لوگ شام پونے چھ بجے

دہلی ائرپورٹ پر تھے ۔ امیگریشن اور کسٹم سے فارغ ہوئے، کسٹم والوں نے ہم سے صرف ایک سوال کیا کہ آپ لوگوں کے پاس بادام تو نہیں ہیں ؟ ۔ جواب نفی میں تھا ۔ بہرحال اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا سامان کسٹم کے عملے کی دست درازیوں سے محفوظ رہا ۔ ائرپورٹ پر جناب وحیدالدین خاں صاحب مدیر ماہنامہ " الرسالہ " دہلی اور ان کے فرزند ثانی (ثنین صاحب موجود تھے ۔ جناب وحیدالدین خاں صاحب وہاں کے معروف دینی سکالر ہیں موصوف کے فکر اور ابا جان کے فکر میں تکمل ہم آہنگی نہیں ہے ۔ لیکن اس کے باوجود دلی لگاؤ بہت ہے ۔ ائرپورٹ سے گھر جاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میں کسی کو ریسیو (Receive) کرنے ائرپورٹ پر بہت کم جاتا ہوں لیکن باوجود مصروفیت کے آپ (ابا جان) کو لینے آگیا ہوں ۔ رات دہلی میں بسر کی، رات گئے تک دہلی کے اصحاب علم ابا جان سے ملاقات کے لئے آتے رہے ۔

۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء : حیدرآباد کے لئے روانگی ۔ اگلے روز یعنی ۱۰ اپریل کو صبح ساڑھے پانچ بجے کی فلائیٹ سے حیدرآباد کے لئے روانگی تھی ۔ کل ایک گھنٹہ اور چالیس منٹ کی پرواز کے بعد ہم لوگ حیدرآباد پہنچ گئے ۔ بہت سے حضرات رن وے کے قریب ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لئے ابا جان کے استقبال کو کھڑے تھے ۔ ائرپورٹ سے ایک قافلے کی شکل میں ہم اپنی جائے قیام " المرکز الاسلامی " حیدرآباد پہنچ گئے ۔ ملنے والوں کا ہجوم تھا، چیدہ چیدہ لوگوں سے تفصیلی تعارف ہوا ۔ جن کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آجائے گا ۔

نماز عصر کے بعد گھر سے نکلے ۔ اور سابق امیر جماعت اسلامی آندھرا پردیش جناب محمد یونس صاحب سے ملاقات کی غرض سے ان کے گھر پہنچ گئے ۔ موصوف کئی ماہ سے علیل تھے ۔ دل کا عارضہ تھا ۔ بہرحال مختصر ملاقات کے بعد ہم لوگ واپس آگئے ۔ بعض حضرات کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ موصوف، ابا جان سے ملاقات کے خواہشمند تھے لہٰذا اوّل روز ہی ان سے ملاقات ہوگئی ۔ حیدرآباد سے واپسی سے دو روز قبل ان کا انتقال بھی ہوگیا ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ نماز جنازہ، ان کی خواہش کے مطابق ابا جان نے ہی پڑھائی ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی خاص رحمت سے نوازے ۔ آمین !!

اسی روز نماز عشاء کے بعد " مسجد بیک مینارہ " میں ابا جان کا مفصل خطاب ہوا ۔ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴ پر بیان تھا ۔ لوگوں کا دینی ذوق و شوق دیدنی تھا ۔ مسجد کا وسیع صحن بھر گیا اور لوگ باہر سڑک پر کھڑے ہوکر درس قرآن سنتے

رہے۔ حکومت سے اجازت لے کر سڑک کے دونوں طرف رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی تھیں اور لوگوں کے لئے جگہ بنا دی گئی تھی۔ یہ درسِ قرآن لگ بھگ پونے دو گھنٹے جاری رہا۔ رات ساڑھے گیارہ بجے واپس اپنی جائے قیام پر پہنچ گئے۔

۱۱ اپریل بروز بدھ نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی تھے کہ چند حضرات ملاقات کی غرض سے تشریف لے آئے۔ ان میں سے ایک صاحب، حیدرآباد میں انجینئرنگ کالج میں لیکچرار ہیں۔ ان سے پاکستان اور اس کے مستقبل پر خاصی گفتگو ہوئی ـــــ وہ اپنے ساتھ ایک انگلش میگزین Young Muslim Digest لائے تھے جس کے کئی شمارے انہوں نے ابا جان کو پڑھنے کے لئے دیئے ـــــ انڈیا نظام تعلیم میں جو خرابیاں ہیں اور جس طرح مسلمان بچوں اور نوجوانوں کو اسلام سے بدظن کیا جاتا ہے مذکورہ میگزین اس کے خلاف ایک جہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلمان بچوں کے اندر ان کے اسلاف کے واقعات کے ذریعے دینی جذبہ بیدار کیا جاتا ہے۔ اور اس کو احساس دلایا جاتا ہے کہ ؎

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

دوپہر کے اوقات میں 'حیدرآباد پولیس آفس' جانا ہوا تاکہ اپنا پاسپورٹ دکھا کر حیدرآباد میں پہنچ جانے کا اندراج کرایا جا سکے ـــــ نماز عصر کے بعد پھر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ـــــ میڈیکل کالج سے متعلق دو نوجوان ڈاکٹرز تشریف لائے۔ ان کی خواہش تھی کہ غیر مسلم ڈاکٹرز (بشمول مسلمان ڈاکٹروں کے) کے ساتھ ایک نشست رکھی جائے جس میں ابا جان کا ایک خطاب ہو اور پھر سوال و جواب کا ایک سیشن ہو۔ بہرحال اس کام کے لئے ۱۵ اپریل کے دن دوپہر ساڑھے تین بجے کا وقت طے پا گیا ـــــ

مغرب کی نماز کے بعد بھی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اور گذشتہ رات کی مسجد بیک بینار والی تقریر کے بارے میں بعض حضرات نے سوالات کئے جن کا تشفی بخش جواب مل جانے پر وہ حضرات مطمئن ہو گئے۔

بعد نماز عشاء عیضا اسکول کے گراؤنڈ میں ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بہت بڑا میدان تھا۔ جس کے نصف حصّہ میں دریاں بچھی تھیں ـــــ ساڑھے نو بجے تک حاضرین خاصی تعداد میں جمع ہو گئے ـــــ ابا جان کی تقریر شروع ہوئی جس میں سورۃ الحجرات کے آخری رکوع کی چند آیات کو بنیاد بنا کر اسلام اور ایمان کا فرق واضح کیا گیا۔ ایمان کے رکن رکین یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے مراحل کا بیان اور پھر قتال فی سبیل اللہ کا بیان

بھی بھرپور انداز میں ہوا۔ راقم سوچ رہا تھا کہ سرزمین ہند میں اسلام کے غلبے کے لئے جنگ و جدال کی ترغیب و تحریص گویا کھلی بغاوت کے مترادف ہے، پھر یہ کہ چونکہ وہاں کے جرائد میں آج کی تقریر کا اشتہار بھی تھا تو انڈین گورنمنٹ کے انٹیلی جنس کے شعبے سے متعلق افراد لازماً موجود ہوں گے ۔ اور ان کے سامنے اسلام کے غلبے کے لئے کوشش کا بیان......!! بہرحال اللہ کا شکر ہے کہ پونے دو بجے کی تقریر میں گنتی کے افراد کے علاوہ کوئی شخص بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ لگ بھگ دو ڈھائی ہزار کا مجمع تھا اور خواتین کے لئے بھی انتظام موجود تھا۔ اس پروگرام سے فارغ ہو کر تقریباً رات بارہ بجے واپس اپنی جائے قیام پر پہنچ گئے۔

۱۱، اپریل بروز جمعرات صبح ساڑھے آٹھ بجے انڈین انٹیلی جنس کے رکن انکوائری کے لئے آ گئے۔ کل ہم پولیس آفس میں حیدر آباد آمد سے متعلق اندراج کرانے گئے تھے۔ لہٰذا اگلے روز معمول کے مطابق وہ لوگ سوال و جواب کے لئے پہنچ گئے ۔ جلد ہی ان سے فراغت حاصل ہوئی اور پھر ملاقاتوں کا سلسلہ دوپہر کے کھانے تک جاری رہا۔

شام عصر کی نماز سے فارغ ہو کر حیدر آباد کی ایک مشہور شخصیت سے ملاقات کی غرض سے گئے۔ خلیل اللہ حسینی صاحب جو کئی کتابوں کے مصنف اپنی سوچ کے مطابق دینی کام میں مشغول بھی ہیں خاصے ضعیف ہیں۔ ان کے زبانی معلوم ہوا کہ راجستھان میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کا عمل زور و شور سے جاری ہے ۔ اس ضمن میں خلیل اللہ حسینی صاحب اور ان کے رفقاء سرگرم عمل ہیں ۔ نماز عشاء کے بعد عیضا سکول کے گراؤنڈ میں آج پھر خطاب تھا۔ سامعین کی تعداد کل کی نسبت زیادہ تھی ۔ تقریر کا عنوان تھا "ختم نبوّت سیرت النبیؐ کی روشنی میں" ۔ حیدر آباد میں قادیانیوں کی سرگرمیاں کافی ہیں اور وہ اپنے مختصر سے کتابچے مسلمانوں میں بانٹتے رہتے ہیں۔ لہٰذا آج کا موضوع اس ضمن میں خصوصی اہمیت کا حامل تھا اور وہ لوگ جن کے ذہنوں پر قادیانیت کی تبلیغ کے زیر اثر شبہات پیدا ہو گئے تھے، کافی مطمئن ہوئے، جس کی گواہی اگلے روز وہاں کے مقامی حضرات نے بھی دی۔

چلتے چلتے ایک بات وہاں کی معاشرت سے متعلق بھی عرض کرتا چلوں۔ عیضا سکول کے مذکورہ بالا پروگرام کے لئے زمین سے تین چار فٹ بلند ایک سٹیج تیار کیا گیا تھا ۔ راقم معمول کے مطابق سامعین کے ساتھ ہی دریوں پر بیٹھا تھا کہ جناب قاری قطب الدین صاحب نے مجبور کر کے سٹیج پر بٹھا دیا ۔ وہاں اور بھی کئی حضرات تشریف فرما تھے ۔ کچھ دیر بعد محسوس ہوا کہ اباجان تو تقریر کر ہی رہے تھے، بقیہ حضرات جو سٹیج پر بیٹھے تھے، ان کے منہ بھی مسلسل ہل رہے ہیں ۔ اب جو سامعین کے بارے میں غور کیا تو وہاں بھی یہی عالم تھا ۔ غور کرنے سے معلوم

ہوا کہ کسی کے منہ میں پان ہے، کسی کے چھالیہ ہے، کسی کے سونف ہے ـــــ سٹیج پر بیٹھنے والوں میں سے صرف راقم ہی تھا جس کا منہ ساکت تھا، میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک بزرگ کی پوٹلی میں سے (جو ان کے سامنے پڑی تھی) ان کی اجازت کے ساتھ تھوڑی سی سونف نکالی اور ع "یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں" کے مصداق ان کی صف میں شامل ہو گیا۔

۱۳ اپریل بروز جمعۃ المبارک

آج صبح ناشتہ کا پروگرام وسطِ شہر میں واقع جناب معین الدین صاحب کے مکان پر تھا۔ ناشتہ کافی پرتکلف تھا۔ دسترخوان انواع و اقسام کی نعمتوں سے پُر تھا۔ حیدرآباد کے رہنے والے اکثر حضرات صبح نو ساڑھے نو بجے ثقیل ناشتہ کر کے گھر سے نکلتے ہیں اور پھر عموماً شام کو جلد کھانا کھا لیتے ہیں۔ اسی مناسبت سے ان کا ناشتہ بہت ثقیل ہوتا ہے۔ ناشتہ کے بعد ان ہی کے مکان پر ایک نشست سوال و جواب کے لئے مخصوص تھی ـــــ کئی حضرات کی جانب سے سوالات ہوئے جن میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں آپ کا طریق کار کیا ہوگا؟ جواباً ابا جان نے فرمایا کہ ایک مسلمان حکومت کے ہوتے ہوئے، جو اگرچہ صرف نام کے اعتبار سے مسلمان ہے، اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایک ایسی تنظیم کا قیام ضروری ہے جس کے رفقاء ایک امیر کے ہاتھ پر سمع و طاعت اور جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت کریں۔ ان کی بھرپور تربیت کی جائے اور جب ایک ایسی جمعیت فراہم ہو جائے کہ امیر کو ان کے بارے میں اعتماد ہو کہ وہ جان ہتھیلیوں پر رکھ کر آ گئے ہیں اور امیر کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہیں تو وہ اس نظام کے کسی منکر کے خلاف ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں گے ـــــ مثلاً جماعت کا امیر اگر فیصلہ کرے کہ ہم ۱۱ اگست کو خواتین کی کھلے بندوں جو پریڈ ہوتی ہے اس کو نہیں ہونے دیں گے ـــــ تو اب اس منکر کے خلاف ایک تحریک اٹھ کھڑی ہو گی۔ اگر حکومت وقت اس پر رضامند ہو جائے کہ پریڈ نہیں ہو گی تو کسی اور منکر کے خلاف یہی طرز عمل اختیار کیا جائے گا اور منکرات کو ختم کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اسطرح بجائے اس کے کہ خود اقتدار کے طالب بن کر سامنے آئیں، اسی حکومت کے ہاتھوں منکر کی تنکیر کرائی جائے گی اور معروف کو رائج کرایا جائے گا لیکن اگر حکومتِ وقت اس پر تیار نہ ہو تو ظاہر ہے اس منکر کے خلاف جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اترنا ہوگا۔ گولیاں کھانی ہوں گی۔ ماریں سہنی ہوں گی، جیل کی صعوبتیں برداشت کرنی ہوں گی۔ لیکن یہ سب منحصر ہے اس بات پر کہ امیر کو یقین اور اعتماد ہو اپنے ساتھیوں کی تعداد پر بھی اور ان کی جانفروشی پر بھی ......!! یہ ہے وہ طریق کار جس کے ذریعے کسی نام نہاد اسلامی حکومت میں حقیقی اسلامی انقلاب لایا جا سکتا ہے ـــــ آج کا پروگرام اس اعتبار سے ابا جان کے لئے خاصا دشوار ہو گیا کہ جمعۃ المبارک کی تقریر کے لئے دو مساجد

کا اعلان کر دیا گیا تھا ۔ لہٰذا نماز جمعہ سے قبل جامع مسجد معظم پورہ میں خطاب ہوا جس میں حکمت واحکام جمعہ کے موضوع پر ایک گھنٹہ کا خطاب تھا ـــــ یہ مسجد حیدرآباد میں تبلیغی جماعت کا مرکز ہے اور شہر کے خاصے بارونق علاقے میں واقع ہے ـــــ نماز جمعہ کے فرائض ادا کر کے فوراً "مسجد سلیمہ خاتون" کے لئے روانگی ہوئی ۔ اور وہاں سورۃ رحمٰن کی ابتدائی تین آیات پر خطاب ہوا ۔ اس مسجد میں نمازی حضرات جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر ہمہ تن انتظار کر رہے تھے ـــــ جیسے ہی ابّا جان پہنچے خطاب شروع ہو گیا جو لگ بھگ ایک گھنٹہ اور دس منٹ جاری رہا۔

اسی روز بعد نماز عشاء جامع مسجد دارالشفا میں آیۂ برّ (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷) کا درس تھا ـــــ اگر مسجد کا اپنا صحن بھی کافی کشادہ تھا لیکن وہاں کی منتظمہ نے مسجد سے ملحقہ گراؤنڈ منتخب کیا ـــــ لیکن یہ بھی ناکافی ثابت ہوا اور لوگوں نے سڑک پر کھڑے ہو کر درس قرآن سنا ـــــ آیۂ برّ کے حوالے سے "نیکی کی حقیقت" کا جو مفہوم حاضرین کی سمجھ میں آیا وہ ان کے بقول عام تصورِ نیکی سے بالکل الگ تھا ـــــ عموماً نیکی کو عبادات کے مترادف خیال کیا جاتا ہے یعنی جو شخص نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر عمل کرے گا وہ نیک انسان ہوگا ـــــ جبکہ اس کے بالکل برعکس سورۂ بقرہ کی آیت زیرِ درس میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر بالکل آخر میں ہے ۔ اوّلین شے ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کے بعد انفاق مال فی سبیل اللہ ہے۔ پھر نماز اور زکوٰۃ ہے اور پھر ایفائے عہد اور سختی کی حالت میں یا جنگ کی صورت میں صبر ـــــ اور آخر میں ایک جامع حکم کہ تم نیکی کو اپنے پیمانوں سے ناپتے ہو، حقیقتاً متقی اور نیک تو یہ لوگ ہیں!

حیدرآباد کے رفقا کا ایک تقاضا راقم سے بھی تھا کہ وہ بھی کسی پروگرام میں درس قرآن دے یا مختصر سا خطاب کرے ـــــ راقم نے اس سے تو معذرت کی لیکن آج ابّا جان کے درس سے قبل راقم نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی تلاوت کی اور ان آیات کا سلیس ترجمہ بھی کیا ـــ!! گویا وہاں کے پروگراموں میں جزوی شرکت راقم کی بھی ہو گئی ـــــ ابّا جان کے بقیہ پروگراموں سے قبل تلاوت کے لئے منتظمین بعد میں بھی راقم کو موقع دیتے رہے ۔

۱۴ اپریل بروز ہفتہ | بیرسٹر اکبر علی صاحب حیدرآباد کی ایک معروف شخصیت ہیں ـــ مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ سے متعلق ہیں اور صوبہ یوپی اور اڑیسہ کے گورنر بھی رہ چکے ہیں ۔ حیدرآباد آمد کے اگلے روز بھی ہم ان سے ملاقات کی غرض سے گئے تھے ۔ ان کا شدید تقاضا تھا کہ انسٹی ٹیوٹ میں ابّا جان کا ایک خطاب ہو ـــ آج صبح دس بجے کا وقت اسی لئے معیّن تھا ـــــ انسٹی ٹیوٹ کے آڈیٹوریم میں "ماضی قریب کی احیائی تحریکیں" کے ذیل میں مولانا ابوالکلام آزاد اور دعوت جہاد اور قرآن' پر

مفصل خطاب ہوا ـــــ اس پروگرام میں عثمانیہ یونیورسٹی کے پولیٹیکل سائنس کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ جناب ایس اے باری بھی موجود تھے جنہوں نے اس تقریر کے بارے میں ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا کہ "ڈاکٹر صاحب! میں عثمانیہ یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس میں بے شمار حضرات کو پی ایچ ڈی کروا چکا ہوں لیکن آج کی تقریر میں تحریک شہیدین، تحریک آزادی ہند اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریک حزب اللہ اور پھر ان میں دو تحریکوں یعنی تحریک شہیدین اور حزب اللہ کی بنیاد کا بیعت پر ہونا، مصر کی تحریک اخوان المسلمون، سوڈان کی مہدی سوڈانی کی تحریک، طرابلس (موجودہ لیبیا) کی سنوسی، برصغیر کی تحریک اسلامی اور دیگر تحریکوں کا تجزیہ جس انداز میں آپ نے فرمایا ہے یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔" ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ـــــ دوپہر کے آرام کے بعد مولانا تقی الدین صاحب کے مدرسے کی طرف سے دعوت تھی۔ وہاں پہنچتے ہی ان کی جانب سے پرتکلف عصرانے کا اہتمام تھا ـــــ پھر مدرسے سے ملحقہ مسجد "مسجد اجالے شاہ" میں جو لگ بھگ ڈھائی سو سال پرانی ہے سورۃ الحج کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ..... الخ پر درس دیا ـــــ شدید گرمی کے باوجود کثیر تعداد میں لوگ جمع تھے ـــــ

واپسی پر جناب نعمت اللہ صاحب کے، جو مجلس اشاعتِ اسلام حیدرآباد کے صدر ہیں اور حیدرآباد کے کاروباری حلقے میں اونچے مقام پر ہیں، آفس کی سیر کی۔ ابا جان کی آمد سے ان کا آفس ایک کیسٹ ورکشاپ کی صورت اختیار کر چکا تھا جہاں ان کے بقول حیدرآباد میں کی گئی تمام تقریروں کی کیسٹ کی نقول تیار کی جا رہی تھیں۔ روزانہ ڈھائی سو کیسٹ تیار ہوتے تھے جو نماز عشاء کے اجتماع کے بعد ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب کی آمد سے ایک ہفتہ قبل ایک خصوصی مہم کے ذریعے "راہ نجات" اور "اسلام کا معاشی نظام" پر مشتمل کیسٹ، چار پانچ ہزار کی تعداد میں ریکارڈ کئے گئے اور انتہائی ارزاں قیمت پر فروخت کئے گئے ـــــ راقم کا ذہن ایران کے انقلاب کی جانب منعطف ہوا، وہاں بھی خمینی صاحب کے دو کیسٹ ہی اس انقلاب کی بنیاد بنے تھے جو لاکھوں کی تعداد میں ایران میں پھیل گئے تھے ـــــ آج بھی حسب معمول نماز عشاء کے بعد "جامعہ انوار العلوم" میں سورۃ حٰمٓ السجدۃ کی منتخب آیات اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پر درس ہوا جو لگ بھگ سوا دو گھنٹے جاری رہا۔ حاضرین کی تعداد تین ہزار سے کم ہرگز نہ تھی ـــــ دعوت الی اللہ کے موضوع پر قرآن کا ذروۂ سنام یعنی وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ پر مفصل گفتگو ہوئی۔ اسی کے ذیل میں دعوت

اِلیٰ اللہ کے تین مدارج اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کا بیان بھی ہوا ـــــ رات سوا بارہ بجے اجتماع گاہ سے واپسی ہوئی۔

۱۵، اپریل بروز اتوار آج یوم تعطیل ہے۔ نماز فجر سے فراغت کے بعد سے ملاقاتوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہا۔ دو تین دنوں سے حیدرآباد کا موسم شدید سے شدید تر ہو رہا تھا اسی لئے آج ایک صاحب نے ہمارے کمرے میں ائر کنڈیشنر فٹ کر دیا جس کی وجہ سے دوپہر کے آرام میں مدد ملی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عطا فرمائے ـــــ آج دوپہر ساڑھے تین بجے نوجوان ڈاکٹرز کے تشکیل کردہ پروگرام کے مطابق حیدرآباد کے سب سے بڑے تھیٹر 'ریوندرا بھارتی' میں 'اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات' کے موضوع پر خطاب تھا ـــــ چونکہ اس پروگرام میں مخصوص دعوت ناموں سے ہی شرکت ہو سکتی تھی اس لئے اجتماع عام کی سی فضا تو نہیں پیدا ہو سکی۔ سامعین کی تعداد چار سو کے لگ بھگ تھی جن میں غیر مسلم ڈاکٹرز بھی شامل تھے۔ سوا گھنٹے کی تقریر کے بعد یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔ بعد میں لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ پہلی مرتبہ اس تھیٹر میں قرآن کی آیات کی تلاوت کی گئی ہے۔ اور اسلام کے موضوع پر کوئی پروگرام ہوا ہے۔ ورنہ یہ تھیٹر تو رقص اور گانوں وغیرہ ایسے پروگراموں کیلئے مخصوص ہے۔ اس پروگرام کی وجہ سے شہر حیدرآباد میں ایک خوشگوار فضا پیدا ہو گئی۔ نماز عصر اسلامک سنٹر میں پڑھی اور پھر مغرب تک لوگوں سے گفتگو کا دور جاری رہا۔ ـــــ نماز عشاء کے بعد آج پھر 'جامعہ انوار العلوم' کے گراؤنڈ میں جلسۂ عام کا اہتمام تھا۔ آج درسِ قرآن کے لئے ابا جان نے سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کا انتخاب فرمایا تھا۔ یہ خطاب بھی لگ بھگ سوا دو گھنٹے جاری رہا۔ سورۃ الشوریٰ کے الفاظ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ کے حوالے سے "قیام نظام عدل اجتماعی" پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ رات سوا بارہ بجے واپس اپنے جائے قیام پر پہنچ گئے ـــــ !!

۱۶، اپریل بروز سوموار آج صبح کا ناشتہ (حیدرآبادی ناشتہ) جناب حسن الدین صاحب کے یہاں تھا۔ جو 'المرکز الاسلامی' کے رکن ہیں ـــــ موصوف خاصا عرصہ امریکہ میں بھی گزار چکے ہیں اور وہاں بھی دینی سرگرمیوں میں زور و شور سے حصہ لیتے رہے ہیں۔ ناشتہ کے بعد قیام

پر پہنچے تو وہاں جماعت اسلامی کے سابق رکن جناب عبدالقادر صاحب ابّا جان سے ملاقات کے لئے موجود تھے ـــــ دوپہر سوا بارہ بجے گھر سے روانہ ہوئے اس لئے کہ جامع مسجد نواز جنگ میں آج ظہر سے قبل یعنی ساڑھے بارہ بجے درسِ قرآن کا پروگرام تھا۔ اس پروگرام میں ابّا جان نے سورۃ الحج کی آخری آیت کا درس دیا۔ درس کے فوراً بعد نمازِ ظہر ادا کی اور قریب ہی موجود جناب مبین صاحب کے گھر ظہرانے میں شریک ہوئے ـــــ دوپہر ساڑھے تین بجے کے قریب واپسی ہوئی اور تھوڑے آرام کے بعد پھر تیار ہوئے۔ اس لئے کہ "مدینہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ" میں نمازِ عصر کے فوراً بعد "اسلام کا معاشی نظام" کے موضوع پر خطاب تھا۔ مغرب تک تقریر جاری رہی ـــــ نمازِ مغرب کے بعد تھوڑا آرام کیا اور پھر جامع مسجد مشیر آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ جہاں حسبِ معمول نمازِ عشاء کے بعد خطاب تھا ـــــ سورۂ لقمان کے رکوع ثانی کا درس ہوا۔ یہ مسجد چار سو سال قدیم ہے یعنی ۱۰۰۰ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ اونچے اونچے محراب اور وسیع و عریض صحن۔ درمیان میں وضو کے لئے ایک حوض مسجد کے صحن میں اونچے اونچے کھجور کے درخت ـــــ رات ساڑھے نو بجے تقریر شروع ہوئی اور سوا گیارہ بجے ختم ہوئی ـــــ دورانِ درس منتظمین میں سے ایک صاحب نے ابّا جان کو چٹ بھیجی کہ لوگوں سے قریب قریب ہونے کی درخواست کی جائے۔ اس لئے کہ سامعین کی تعداد بڑھ رہی ہے ـــــ ابّا جان نے اس کام کے لئے دو تین منٹ کا وقفہ بھی دیا ـــــ لوگ قریب ہونے میں سستی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس پر ابّا جان نے برجستہ کہا ـــــ "حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے۔ میرے قریب حضرت داغ سے ملتے جلتے پرانے زمانے کے ایک بزرگ بیٹھے تھے ـــــ ان کے آگے خالی جگہ موجود تھی لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ "حضور! ڈاکٹر صاحب یہ آپ ہی کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں۔" انہوں نے خاص نظروں سے راقم کی جانب دیکھا اور سامنے موجود خالی جگہ پُر کر لی ـــــ!

۱۷، اپریل بروز منگل نمازِ فجر کے بعد حیدر آباد کی ایک بزرگ شخصیت جناب محمد سالم مسدوسی صاحب سے ایک طویل نشست رہی ـــ موصوف دو سال قبل پاکستان تشریف لائے تھے۔ اکیڈمی میں بھی چند دن قیام کیا تھا اور لاہور ہی میں ایک رکشہ کے ایکسیڈنٹ میں ان کی دونوں ٹانگیں کئی جگہ سے ٹوٹ گئی تھیں۔ اس موقع پر جس صبر کا مظاہرہ آپ نے کیا وہ ہمیں ہمیشہ یاد رہے گا ـــــ آج ناشتے کے لئے ہم قاری قطب الدین صاحب کے ہاں مدعو تھے جو مجلس اشاعت اسلام کے سیکرٹری ہیں۔ اپنی رہائش گاہ کے قریب ہی

انہوں نے ایک مدرسہ قائم کیا ہوا ہے۔ جہاں لگ بھگ ایک سو طالب علم پڑھتے ہیں۔ موصوف نے ہمیں اپنے مدرسے کی سیر بھی کرائی۔ دورانِ سیر موصوف نے ایک احاطے کی جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ اس آبادی کا "خبرستان" ہے ـــــ عام آدمی خبرستان سن کر یہی سمجھے گا کہ غالباً یہاں سے خبریں نشر ہوتی ہیں۔ دراصل حیدرآباد کے حضرات 'ق' نہیں بول سکتے، اس کی بجائے 'خ' بولتے ہیں۔ موصوف نے جو خبرستان کہا تھا وہ اصل میں قبرستان کہنا چاہتے تھے۔ ناشتے سے فراغت کے بعد وہاں کے رفقاء کے اصرار پر 'نہرو زولوجیکل پارک' کی سیر کی۔ واپسی پر 'طور بیت المال' کو بھی دیکھا جس کے سربراہ جناب وزارت پاشا صاحب نے ہمیں اس بیت المال کے قیام کے پس منظر اور موجودہ طریق کار سے آگاہ کیا۔ ظہرانے کا اہتمام جناب حیدر محی الدین غوری صاحب نے کیا تھا ـــــ دوپہر میں آرام کے بعد 'اقبال اکیڈمی' کے لئے روانہ ہوئے جہاں عصر تا مغرب 'ابّا جان' کو خطاب کرنا تھا ـــــ دورانِ خطاب ابّا جان نے اکیڈمی کے کام کو سراہا اور تجویز پیش کی کہ اسی نہج پر اگر "قرآن اکیڈمی" کا قیام روبعمل آسکے تو ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا ـــــ آج 'مکہ مسجد' میں تین روزہ خطاب کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو روزانہ نماز عشاء کے بعد ہونے تھے۔ مکہ مسجد اندرون شہر واقع ہے اور حیدرآباد میں اس کا وہی مقام ہے جو لاہور میں 'شاہی مسجد' کا ـــ بہت وسیع و عریض صحن جس کے وسط میں بڑا سا تالاب۔ اونچے اونچے دو مینار ـــ مسجد کے ستون اور محراب کم و بیش ساٹھ فٹ بلند ـــــ خطاب کا عنوان تھا "حقیقت و اقسام شرک" ـــــ آج صرف شرک فی الذّات اور شرک فی الصّفات پر گفتگو ہوئی۔ آج کے اجتماع کی خاص بات یہ تھی کہ حیدرآباد میں گاندھی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے چیئرمین شیشا چاری بھی اسٹیج پر موجود تھے جو عقیدے کے لحاظ سے ہندو ہیں۔ انہوں نے پھولوں کا ایک بہت بھاری ہار ابّا جان کو پہنایا ـــ تمام تقریر بڑے غور سے سنی اور اس دوران نوٹس بھی لیتے رہے ـــ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آج شرک فی الذّات کا بیان تھا جس کے ضمن میں ہندو عقیدے کا ذکر بھی آیا۔ درس کے دوران راقم نے کئی بار ان کے چہرے کی جانب دیکھا کہ شاید تیور بگڑے ہوئے ہوں لیکن شیشا چاری گرد و پیش سے بے خبر ہمہ تن درس کی جانب متوجہ تھے اور درس کے نوٹس لے رہے تھے

اگلے روز ڈاکٹر صاحب کے نام ان کا خط موصول ہوا جو تحسینی کلمات اور ڈاکٹر صاحب کی شان میں ایک قصیدے پر مشتمل تھا۔۔ ہمیشہ کی طرح اس پروگرام سے فارغ ہو کر رات ساڑھے بارہ بجے اپنی قیام گاہ پر پہنچے ـــــ!!

۱۸ر اپریل بروز بدھ

صبح نماز فجر کے بعد 'مجلسِ قرأت و تجوید' سے متعلق ۲۵، ۳۰ حضرات آئے خاصی دیر مختلف امور پر گفتگو جاری

رہی ۔ ناشتہ ایک صاحب کے ہاں تھا جہاں امیر تبلیغی جماعت 'آندھرا پردیش' سے بھی ملاقات ہوئی ـــــ ناشتے سے فارغ ہوکر ادارۂ ملّیہ کے بانی مولانا جمیل احمد صاحب سے ملاقات کے لئے ان کے مدرسے گئے ۔ موصوف نے کل نماز فجر کے بعد ادارے کی مسجد میں ابّا جان کا ایک پروگرام بھی طے کرلیا ـــ واپسی پر حیدرآباد کے عجائب گھر 'سالار جنگ میوزیم' کی سیر کی اور ـــ چارمینار (ایک تاریخی مقام) سے ہوتے ہوئے واپس قیام گاہ پر پہنچ گئے ۔ نماز عصر جامع مسجد معظم پورہ میں ادا کی جہاں نماز کے بعد ابّا جان نے مولانا محمد یونس صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی اور نماز جنازہ سے قبل ایک مختصر سا خطاب بھی فرمایا ـــ مجلس اشاعت اسلام کی جانب سے آج ایک دعوت کا اہتمام المرکز الاسلامی ہی میں تھا ۔ نماز مغرب سے قبل لگ بھگ پون گھنٹہ اراکین مجلس اشاعت اسلام اور دیگر مدعوئین سے خطاب فرمایا ـــ نماز عشاء کے بعد مکّہ مسجد کے لئے روانگی ہوئی جہاں آج حقیقت شرک کے ضمن میں شرک فی العبادت کے موضوع پر گفتگو ہوئی ۔

۱۹ر اپریل بروز جمعرات نماز فجر کے فوراً بعد مختصر سا ناشتہ کیا اور پروگرام کے مطابق ادارۂ ملّیہ کے لئے روانہ ہوگئے ۔ صبح ساڑھے چھ بجے خطاب شروع ہوا اور سوا آٹھ بجے تک جاری رہا ۔ عنوان تھا " ہماری دینی ذمّہ داریاں" ـــ جامعہ ملّیہ سے واپسی پر ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا ـــ ! دوپہر کے آرام اور نماز عصر کے بعد المرکز الاسلامی کے تحت ایک اجتماع تھا ۔ جس سے ابّا جان نے خطاب فرمایا جو لگ بھگ سوا گھنٹے جاری رہا ـــ آج نماز عشاء کے بعد حیدرآباد میں "آخری پروگرام" تھا ـــ مسجد کا صحن کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ۔ کم و بیش بیس ہزار کا مجمع تھا ۔ جن میں خاصی تعداد میں خواتین بھی شامل تھیں ـــ "حقیقت و ماہیّت ایمان" کے موضوع پر لگ بھگ ڈھائی گھنٹے کا خطاب ہوا ۔ رات پون بجے واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے ـــ یاد رہے آج رات کا کھانا حیدرآباد کی مشہور و معروف اور متموّل ترین لوگوں میں سے ایک شخصیت جناب ابراہیم مسقطی صاحب کے ہاں تھا ۔ موصوف کے والد ماجد کا تعلق عرب سے تھا اور والدہ حیدرآباد کی تھیں ـــ کھانے میں 'مرق' نامی ایک عربی ڈش بھی تھی، جو انہوں نے بطور خاص تیار کروائی تھی ـــ آج کی رات اس اعتبار سے بہت برکت کی حامل تھی کہ رات 'ڈھائی بجے' المرکز الاسلامی کی چھت پر کھلے آسمان تلے، گیارہ حضرات نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی اور امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کی ـــ صبح نماز فجر کے فوراً بعد مزید تین حضرات نے بیعت کی ۔ اس طرح حیدرآباد میں کل ۱۴ حضرات نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی ۔

۲۰ر اپریل بروز جمعۃ المبارک صبح ساڑھے پانچ بجے ائرپورٹ کے لئے روانگی

ہوئی اور وہاں سے نو بجے ہم لوگ دہلی پہنچ گئے ـــــ ائرپورٹ پر جناب ڈاکٹر اقبال انصاری صاحب موجود تھے جو علیگڑھ یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات سے وابستہ ہیں ـــــ موصوف نے ابا جان کے علیگڑھ میں پروگرام کی تشکیل کے سلسلے میں بہت محنت کی اور کسی نہ کسی طرح علی گڑھ کا خصوصی ویزا حاصل کر لیا ـــــ نماز جمعہ جامع مسجد دہلی کے قریب ہی چتلی قبر کے علاقہ میں واقع مدرسہ حسین بخش میں ادا کی (معلوم ہوا یہ وہی مدرسہ ہے جہاں سالہا سال تک سبحان الہند مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان میں اجتماع جمعہ کو خطاب فرمایا کرتے تھے اور اسی مدرسہ کے مہتمم بھی تھے۔ ان کا قرآن حکیم کا درس بھی اسی مدرسہ میں ہوا کرتا تھا)۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب اس مسجد کے خطیب ہیں۔ موصوف اکتوبر ۸۲ میں سالانہ محاضراتِ قرآنی میں شرکت کے لئے بطور خاص لاہور بھی آئے تھے ـــــ موصوف نے مسجد میں اعلان فرما دیا کہ خطاب جمعہ کی ذمہ داری ڈاکٹر صاحب ادا کریں گے۔ لہٰذا حکمت و احکام جمعہ کے موضوع پر خطاب فرمایا ـــــ نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی ریلوے اسٹیشن روانہ ہوئے۔ علیگڑھ کی گاڑی پکڑی ـــــ مغرب کے بعد علیگڑھ یونیورسٹی کے وسیع و عریض ہال 'کینیڈی ہال' میں "اقامتِ دین اور اس کا طریق کار" کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا۔

۲۱ اپریل بروز ہفتہ صبح کی ٹرین سے دہلی واپس آئے ـــــ آج شام مغرب کی نماز کے بعد المرکز الاسلامی 'دہلی' میں ابا جان کا ایک خطاب تھا۔ یاد رہے کہ مولانا وحید الدین خان صاحب کی رہائش بھی اسی مرکز میں ہے! موصوف نے اپنے انتہائی قریبی دوستوں کو دعوت دی تھی۔ یہ خطاب بھی لگ بھگ دو گھنٹے جاری رہا۔ خطاب کا موضوع تھا "تاریخ امتِ مسلمہ اور اس کی بنی اسرائیل کی تاریخ سے مماثلت"۔

۲۲ اپریل بروز اتوار ناشتے کے لئے ہم جماعت اسلامی ہند کے مرکز میں مدعو تھے۔ اس دورۂ ہند کے ضمن میں ابا جان کی ایک شدید خواہش یہ بھی تھی کہ مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب سے ملاقات ہو جائے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مرکز میں مولانا سے ملاقات ہو گئی اور ابا جان نے اپنی کتابوں کا ایک سیٹ ہدیتہً ان کو دیا۔ "جماعتِ اسلامی ہند" کی مجلس شوریٰ کا اجتماع دو دن سے جاری تھا۔ لہٰذا تمام ہندوستان سے جماعت کے امراء اور قیم اور ارکان شوریٰ جمع تھے۔ ناشتے سے قبل اور بعد میں بھی پاکستان میں اسلام کا مستقبل اور اس ضمن میں جماعتِ اسلامی پاکستان کا کردار' کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ واپسی پر دہلی میں مقیم مولانا افتخار

فرید ی صاحب سے ملاقات کی ان کی زبانی معلوم ہوا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ آج رات دہلی تشریف لائیں گے ـــــ اس پر آباجان نے لکھنؤ کا ٹکٹ کینسل کروا دیا۔ اس لئے کہ لکھنؤ صرف مولانا علی میاں (مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب) سے ملاقات کے لئے جانا تھا ـــــ نماز عشاء کے بعد مولانا علی میاں سے ملاقات کی۔ موصوف کو کل اپنے کسی پروگرام کے سلسلے میں 'اردن' روانہ ہونا تھا۔ لہٰذا ان کے آرام کے پیشِ نظر ہم لوگ جلد ہی ان سے اجازت لے کر واپس آگئے۔

۲۲ تا ۲۴ اپریل یہ دن ہم نے دہلی میں ہی گزارے۔ دہلی کے گلی کوچوں میں سے گذرتے ہوئے جگہ جگہ آپ کو مسلمانوں کی عظمت کے نشانات ملیں گے۔ مسلمانوں کی تعمیر شدہ مساجد، قلعے اور باغات اور لال قلعہ جو شاہجہاں نے تعمیر کیا جو فنِ تعمیر میں خصوصی مقام رکھتا ہے ـــــ یہ وہ سرزمین ہند ہے جہاں مسلمانوں کے آٹھ سو سال انتہائی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی ہے۔ لیکن

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

کے مصداق شان و شوکت کا یہ دور ختم ہوا اور اب مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ اب بھی ضرورت ہے کہ برِصغیر پاک و ہند کے مسلمان نوجوانوں میں ان کے اسلاف کے حوالے سے جذبۂ جہاد پیدا کیا جائے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے!!
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

دہلی کے مختلف حضرات سے ملاقاتیں کیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کے بڑے بھائی جناب حکیم عبدالحمید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اپنا قائم کردہ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز اور ہمدرد طبیہ کالج دکھایا اور پُرتکلف چائے کے ساتھ تواضع کی۔ ان ہی کی گاڑی میں 'مہرولی' (پرانا دہلی) اور قطب مینار کی سیر بھی کی ـــــ قریب ہی واقع خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضری دی۔ جن کے مرید ہیں خواجہ فریدالدین شکر گنجؒ اور ان کے مرید ہیں حضرت نظام الدین اولیاء ـــــ یہ وہ حضرات ہیں جن کے ہاتھوں پر لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کیا ـــــ ۲۴ اپریل کو مغرب کی نماز کے بعد غالب اکیڈمی کے ہال میں آباجان کی ایک تقریر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تھی۔ جس کا اہتمام 'ادارۂ ہمدرد' نے کیا تھا۔

۲۵ اپریل بروز بدھ صبح ناشتے کے بعد مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب سے ملاقات کی غرض سے درگاہ شاہ رحیم الدینؒ گئے۔ مدرسہ سے ملحق ہی ایک احاطہ ہے جہاں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے چاروں بیٹے یعنی شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ علیہم مدفون ہیں۔ ان حضرات کی قبور پر حاضری دی۔ دل ان حضرات کی عظمت کے احساس سے معمور تھا۔ ذہن علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی جانب منتقل ہوگیا جو انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی قبر پر حاضری کے بعد فرمایا تھا۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَھُمْ وَاَکْرِمْ مَنْزِلَھُمْ وَاَلْحِقْھُمْ بِالصّٰلِحِیْنَ)

شام ڈھائی بجے کی پرواز سے ہم واپس لاہور پہنچ گئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃ!!

حیدرآباد میں جناب عبداللہ صدیقی صاحب، جناب حیدر غوری صاحب، جناب قطب الدین صاحب۔ جناب قاری عبدالعلیم صاحب، جناب شفیع بھائی اور جناب قاری تقی الدین صاحب نے جس طرح ہمارے آرام کا خیال رکھا۔ اس کے لئے ان حضرات کے حق میں دل دعا نکلتی ہے اور مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ (جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا) کے مصداق ہم ان حضرات کا زبانی شکریہ بھی ادا کرتے ہیں ـــــ اور دہلی میں جناب وحیدالدین خاں صاحب ان کے صاحبزادے ثانی اثنین اور جناب نورالدین آزاد صاحب کے بھی انتہائی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے دہلی میں ہمیں کسی تکلیف کا احساس نہ ہونے دیا۔

آخر میں قارئین میثاق سے عرض کروں گا کہ وہ دعا فرمائیں کہ ہندوستان میں ان پندرہ دنوں کے دوران جو محنت کی گئی ہے۔ اللہ اس کو قبول فرمائے اور اس کو لوگوں کے لئے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین!!

عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال

لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما
یحب لنفسہ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت
تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے
بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے
لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

ٹمپل روڈ — سوہا بازار

۳۱۱۴۴۰ — ۳۰۴۳۲۳ — ۶۴۴۳۲ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

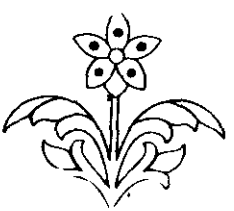

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

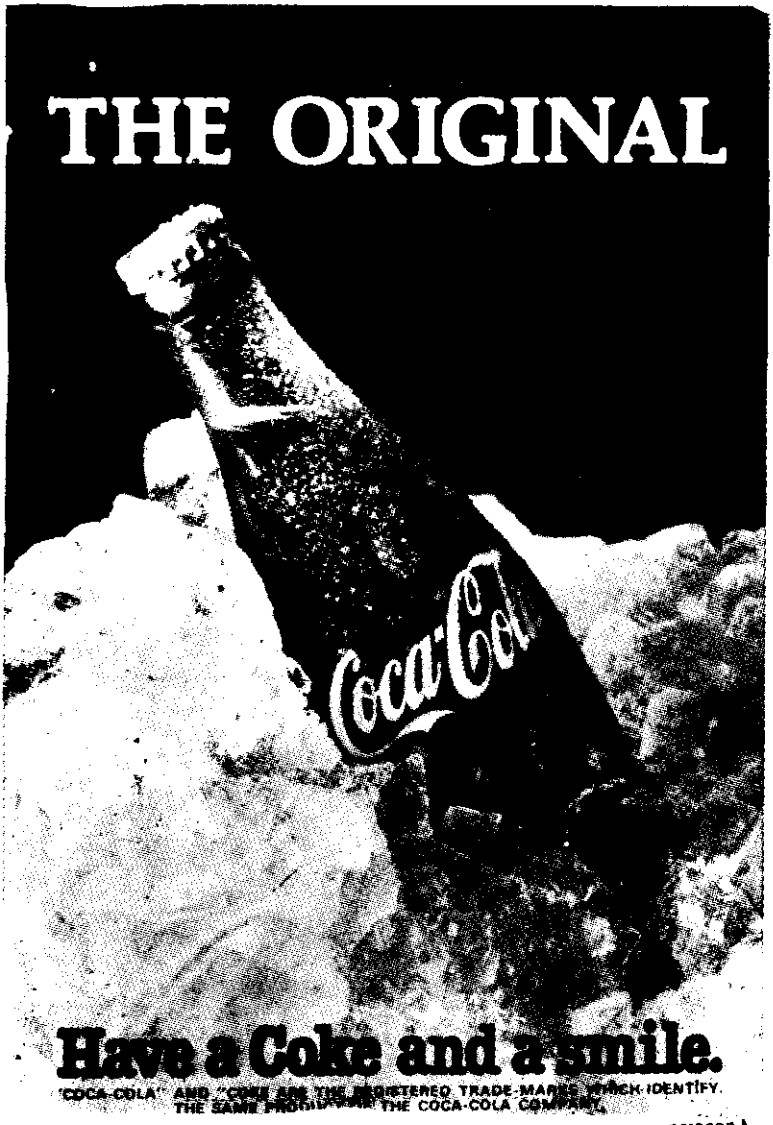
THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY
THE COCA-COLA COMPANY.
paragon

امپورٹ ۔ ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رینبو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ⁘ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ⁘ کاٹن گارمنٹس ⁘ احرام تولیہ ⁘ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ⁘ لکڑی کا فرنیچر ۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ⁘ سٹکر فلم ⁘ سوچ سٹارٹر
ربڑ بیسٹکس ⁘ پولیسٹر ریان ۔

مرکزی دفتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور
ذیلی دفاتر: کراچی ۔ فیصل آباد ۔

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا ممتاز ادارہ

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731

مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور
کے چھٹے سالانہ

محاضراتِ قرآنی

میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دو فکر انگیز خطابات

(۱)

جہاد بالقرآن

زیر طباعت ہے۔

(۲)

اسلامی انقلاب کیلئے التزامِ جماعت اور مسئلہ بیعت

زیر تکمیل ہے۔ ان شاء اللہ العزیز
ماہ جولائی کے وسط میں منصہ شہود پر
آجائے گا۔

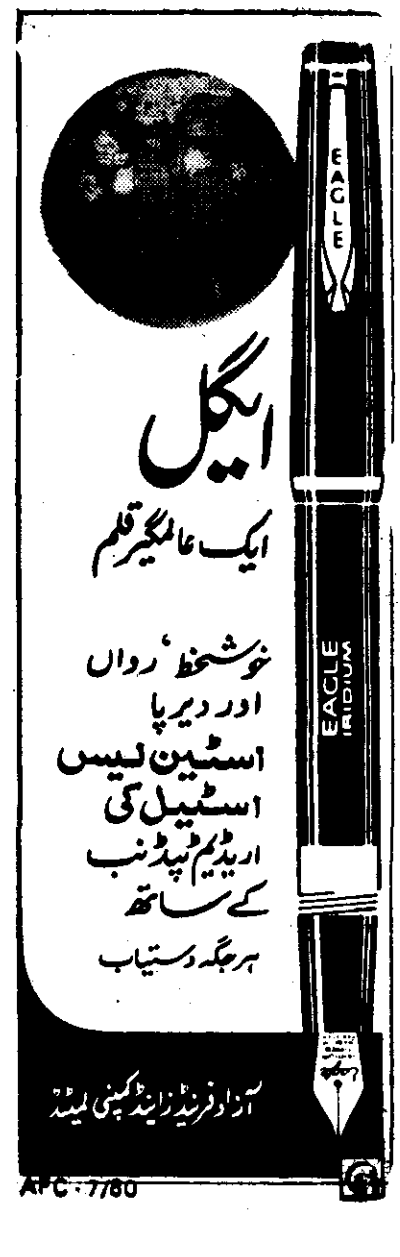

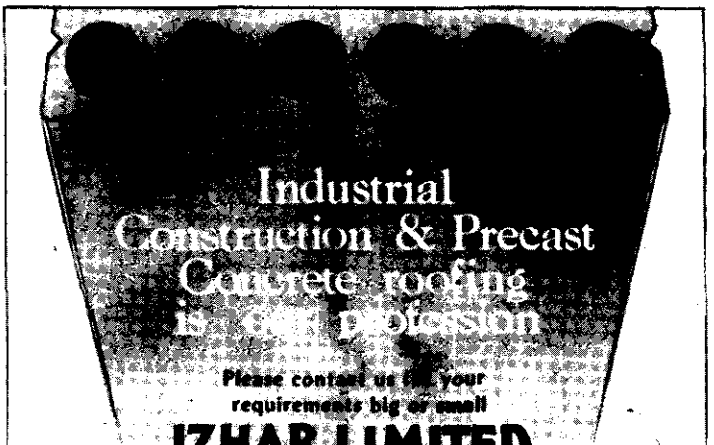

Industrial
Construction & Precast
Concrete roofing
Please contact us for your
requirements big or small
IZHAR LIMITED
(INC. 1964)
Engineers & Contractors and leaders of
mukhtarsons
group of companies
trusted and well-known for Precast Prestressed
Concrete roofing famous as
"اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں"
and the first & only producers of Precast Prestressed
Hollow-Core Slab in Pakistan
HEAD OFFICE
P.O. Box 1899, Lahore-1.
SALE LIAISON OFFICE:

وقت کے اہم، نازک اور زیرِ بحث موضوع

اسلام میں عورت کا مقام

پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کا مدلل و مفصل خطاب

کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

جس میں اس خطاب کے علاوہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف "نقوش اقبال" سے ماخوذ

عورت اقبال کے کلام میں

نیز اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا ماہنامہ آنچل کراچی میں شائع شدہ انٹرویو اور روزنامہ جنگ لاہور فورم میں بات چیت بھی شامل ہیں

عمدہ آفسٹ پیپر۔ اعلیٰ طباعت۔ صفحات ۱۲۰

قیمت ——— فی نسخہ دس روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۔ ۳۶، کے، ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

(۲) مکتبہ تنظیم اسلامی ۔ نمبر ۱۱ داؤد منزل نزد آرام باغ کراچی ۱

(1123)

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور
کی مطبوعات میں ایک مزید اہم اضافہ

معراج النبیؐ

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

کے موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک اہم خطاب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے
جس میں موصوف نے اس محیّر العقل واقعہ کو قرآن مجید اور
احادیث شریف نیز عقلی استدلال سے واضح و مبرہن کیا ہے

عمدہ آفسٹ پیپر - اعلیٰ طباعت - صفحات ۴۰
قیمت ___ فی نسخہ تین روپے ___ (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن - ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن، لاہور - ۱۴
(۲) مکتبہ تنظیمِ اسلامی ۱۱/ب داؤد منزل نزد آرام باغ کراچی ۱

5/1/1/36

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ

ایک اور اعزاز

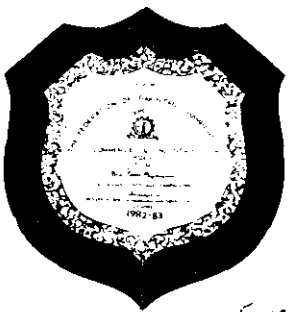

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے۔ ترپالین اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

SNDS

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز۔ ۸۵۔ شاہراہ قائد اعظم، لاہور ۱ (پاکستان)
فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ ٹیلکس: 44543 NOOR PK
ایکسپورٹ آفس: ۶۱۶ - ۶۱۴ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی ۱ (پاکستان)
فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۱۷، تار: 'TARPAULIN' ٹیلکس: 25480 NOOR PK

Regd. L. No. 7360

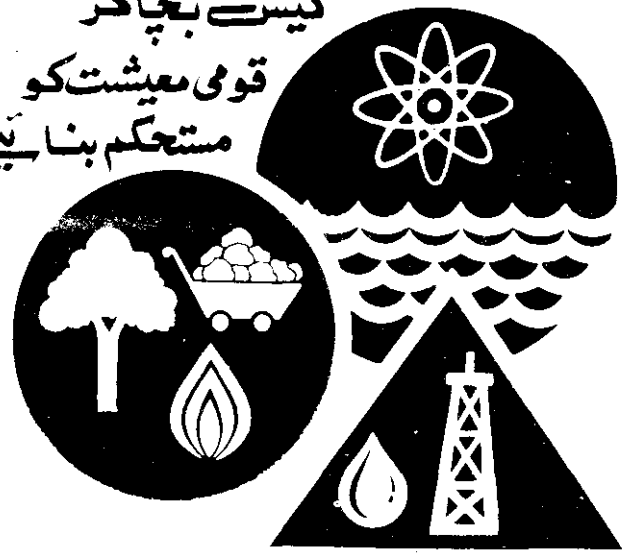

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol 33	JUNE 1984	No. 6